عُلَما و قائدین جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

مؤلف

یسٓ اختر مصباحی

بانی وصدر دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

بانی رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڈھ، یوپی

موبائل:09350902937

طابع وناشر

دارالقلم - 66/92 قادری مسجد روڈ، ذاکر نگر (جوگا بائی ایکسٹینشن)

اوکھلا، نئی دہلی - 110025 (انڈیا)

فون:011-26986872، فیکس

نمبر:011-26987184

سلسلۂ مطبوعات(۱۹)

نام کتاب .... علما وقائدین جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

مؤلف .... یسٓ اختر مصباحی

طبعِ اوّل (اردو، ہندی) .... ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء رضا اکیڈمی، بمبئی

طبعِ ثانی (بعد نظرِ ثانی واضافہ۔ اردو، انگریزی) ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء دارالقلم، دہلی

طبعِ ثالث (مع حذف واضافہ) ... ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء دارالقلم، دہلی

طبعِ رابع (مع اضافہ) .... ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء دارالقلم، دہلی

صفحات .... چھپّن (56)

قیمت .... پندرہ روپے =/15)

''علامہ فضل حق خیرآبادی سے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے۔ مشورے کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد دہلی میں علما کے سامنے تقریر کی۔ استفتا پیش کیا۔ مفتی صدرالدین خاں آزردہ صدرالصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبرآبادی، سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کیے۔

اس فتویٰ کے شایع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہوگئی تھی۔

تاریخ ذکاء اللہ دہلوی۔ (ص ۲۱۵۔ باغی ہندوستان مرتبہ عبدالشاہد شیروانی علی گڑھی۔ طبع چہارم (۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) مبارکپور اعظم گڑھ، یوپی۔ طبعِ اول مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء مع مقدمۂ مولانا ابوالکلام آزاد)

رابطہ کا پتہ

دارالقلم - 66/92 قادری مسجد روڈ، ذاکر نگر (جوگا بائی ایکسٹینشن)

اوکھلا، نئی دہلی - 110025 (انڈیا)

فون:011-26986872 فیکس نمبر:011-26987184

صدائے انقلاب

برطانوی سامراج کے خلاف ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں نے ۱۸۵۷ء میں جو پرچمِ انقلاب بلند کیا اس کے بڑے دوررس اثرات ونتائج برآمد ہوئے۔ وقتی طور پر برطانوی سامراج نے انقلابیوں کے عزائم ناکام بنادیے لیکن ان کے سینے میں دبی ہوئی چنگاری سلگتی رہی اور یہی چنگاری بیسویں صدی عیسوی کی تیسری چوتھی دہائی میں شعلۂ جوالہ بن گئی جس کی تپش سے برطانوی سامراج کا نشیمن جل اٹھا اور ۱۹۴۷ء میں اسے بصد حسرت ویاس ہندوستان سے رختِ سفر باندھنا پڑا۔

چنانچہ ڈاکٹر آر۔سی۔ مجمدار اپنی تحقیق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''۱۸۵۷ء کی شورش ہندوستان میں برطانوی حکومت کے لئے وسیع پیمانے پر پہلی بڑی اور براہِ راست چنوتی (چیلنج) کی حیثیت سے ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گی۔ نصف صدی بعد شروع ہونے والی آزادی کی تحریک کو اسی تحریک سے روشنی ملی۔ ۵۸۔۱۸۵۷ء کی یاد نے ہماری آزادی کی تحریک کو تقویت دی۔ اس کے مجاہدین کے دلوں میں ہمت کی روح پھونکی۔ خوفناک جدوجہد کے لئے ایک تاریخی بنیاد فراہم کی۔ اور اسے ایک ایسا اخلاقی محرک عطا کیا جس کی وقعت میں مبالغہ کرنا ممکن نہیں۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی یاد نے، جس کی عظمت غلط بیانیوں کے باوجود بڑھتی گئی، ہندوستان میں برطانوی حکومت کے مفاد کو جتنا نقصان پہنچایا اتنا خود بغاوت سے بھی نہ پہنچا ہوگا۔'' (ص ۱۴۰۔ انقلاب ۱۸۵۷ء مؤلفہ پی سی جوشی، مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو۔ نئی دہلی۔ طبع سوم ۱۹۹۸ء)

انگریزوں کے مظالم اور ان کی چیرہ دستیوں سے مسلمان اور ہندو سب کے سب نالاں تھے۔ اس صنعتی وزراعتی ملک کی رگوں سے خون چوس کر غاصب وظالم انگریز اپنے انگلستان کو مالا مال کررہے تھے اور خصوصیت کے ساتھ بنگال کو انھوں نے کنگال بناڈالا تھا جس کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دل انگریز دشمنی کی آماج گاہ بن گئے تھے۔ ہندوستانی نوابوں، راجاؤں، زمینداروں، تاجروں اور شُرفا کو ذلیل کرنا انگریزوں کا معمول بن گیا تھا۔ اور جب انھوں نے ان کے مذہب پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تو ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور اسی کے نتیجے میں انقلاب

۱۸۵۷ء رونما ہوا جس میں مسلمانوں کے کے مذہبی پیشوا و قائدین پیش پیش تھے۔ بہادر شاہ ظفر، جنرل بخت خاں روہیلہ، خان بہادر خاں روہیلہ (فرزندِ ذوالفقار خاں فرزند حافظ رحمت خاں روہیلہ) شہزادہ فیروز شاہ، بیگم حضرت محل، جنرل عظیم اللہ خاں، جنرل غوث محمد خاں، نواب تفضّل حسین خاں، نواب مجدالدین عرف مجّو خاں مرادآبادی، نواب محمود خاں بجنوری جیسے مسلم قائدین اس انقلاب کو کامیاب بنانے میں شب و روز اپنی عملی توانائیاں صرف کررہے تھے۔ انگریزوں کے خلاف چوں کہ مسلمانوں کے اندر جوش وخروش زیادہ تھا اور انھوں نے اپنی جان و مال کا نذرانہ بڑھ چڑھ کر پیش کیا اسی لئے وہ انقلاب کی ناکامی کے بعد انگریزی مظالم کے زیادہ شکار ہوئے۔ اور انگریزوں نے چُن چُن کرانھیں اپنا نشانہ بنایا۔

میجر ایف، جے، ہیریٹ ڈپٹی ایڈوکیٹ جنرل برائے سماعتِ مقدمۂ بہادر شاہ ظفر کا بیان ہے کہ:

''ان مقدمات کی انتہائی معنی خیز حقیقت یہ ہے کہ جہاں کہیں ہم نے تفتیش کی ہے مسلمانوں میں سازش کے آثار پائے جاتے ہیں لیکن ایک بھی ایسی دستاویز ہاتھ نہیں لگی جس سے ظاہر ہو کہ ہندو بحیثیت فرقے کے ہمارے خلاف سازش کرتے رہے ہیں یا برہمنوں اور پجاریوں نے عیسائیوں کے خلاف جہاد کا پرچار کیا ہو۔

......مسلمان مُلّا نظرِ باطنی کے اور فرضی قوتِ معجزہ کے جھوٹے دعویدار، مسلمان بادشاہ ان کے فریب میں پھنسے ہوئے لوگ اور شریکِ جرم...... ترکی اور ایران کی مسلمان حکومتوں میں مسلمان خفیہ سفارش خانے ......مسلمانوں کی طرف سے ہمارے اقتدار کے زوال کی پیش گوئیاں...... ہماری حکومت کی وارث مسلم سرکار...... مسلمان قاتلوں کے ہاتھوں سفاکانہ قتل...... اسلامی غلبہ کے لئے جہاد...... اور بغاوت کے بانی مسلمان سپاہی۔ غرض کہ ہندوؤں کا کہیں بھی عمل دخل ظاہر نہیں ہوتا اور اگر کہیں شاذ و نادر ہوتا بھی ہے تو اپنے جنگ جو ہمسایہ کی زیرِ ہدایت محض ثانوی حیثیت سے۔ (ص ۳۵۔ انقلاب ۱۸۵۷ء۔ پی سی جوشی)

انقلاب ۱۸۵۷ء میں عُلما نے مذہبی فریضہ کے طور پر انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتاویٰ جاری کیے اور عملی طور پر بھی جنگ میں شریک ہوکر مجاہدین کے حوصلے بڑھائے اور انقلابیوں کی بھرپور قیادت کی جن میں علامہ فضل حق خیرآبادی، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی کا نام سب سے نمایاں ہے۔ مولانا مدراسی اپنے پیر و مرشد حضرت محراب شاہ قلندر گوالیاری کے حکم پر تقریباً ۱۸۴۶ء سے انگریزوں کے خلاف اپنی منصوبہ بند خفیہ مہم چلا رہے تھے۔

دیگر مشہور علماے انقلاب ۱۸۵۷ء میں چند سر برآوردہ حضرات کے نام یہ ہیں۔ مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی، مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی، مولانا وہاج الدین مرادآبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی، مولانا امام بخش صہبائی دہلوی، مفتی مظہر کریم دریابادی۔

رئیس احمد جعفری ندوی (۱۹۱۲ء۔۱۹۶۸ء) لکھتے ہیں:

''اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں عُلما نے نمایاں حصہ لیا۔ بقول ایک اہلِ علم اور محقق کے:

مولانا فضلِ امام صدرالصدور دہلی، مفتی صدرالدین خاں آزردہ، مفتی عنایت احمد کاکوری مصنف صدر امین کول و بریلی، مولانا فضلِ رسول بدایونی سررشتہ دار کلکٹری صدر دفتر سہسوان، مفتی اِنعام اللہ گوپامئوی قاضیِ دہلی وسرکاری وکیل الٰہ آباد، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی سررشتہ دار امین بریلی، علامہ فضلِ حق خیرآبادی سررشتہ دار ریزیڈنسی دہلی وصدر الصدور لکھنؤ و مہتمم حضور تحصیل اَوَدھ، مولوی غلام قادر گوپامئوی ناظر سررشتہ دار عدالت دیوانی و تحصیل دار گوڑگاؤں، مولوی قاضی فیض اللہ کشمیری سررشتہ دار صدالصدور دہلی وغیرہ۔ یہ سب اس وقت کے بے نظیر وعدیم المثال اکابرعُلما تھے۔ حکومت کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھوں میں تھی۔

مسلمانوں کی سلطنت کی بربادی ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ موقعہ کا انتظار تھا۔ ۱۸۵۷ء کا وقت آیا تو سب میں پیش پیش یہی حضرات تھے۔

والیانِ ریاست اور اراکینِ دولت میں ناقوسِ حریت پھونکنے والے یہی تھے، عوام کو ابھارنا اور فتواے جہاد جاری کرنا انہیں کا کام تھا۔

اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد سب سے زیادہ مصائب اٹھانے اور آتشِ حریت میں جلنے والے یہی شمعِ شبستانِ آزادی کے پروانے تھے۔

(ص ۸۵۵۔ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، مؤلفہ رئیس احمد جعفری ندوی، طبعِ اول کتاب منزل لاہور۔ سالِ طبع ندارد۔ تقدیمِ کتاب از مؤلف مؤرخہ دسمبر ۱۹۵۵ء)

تاریخ انقلاب پر لکھی گئی کتابوں کے عام اندازہ کے مطابق لگ بھگ پندرہ ہزار عُلما اور کئی لاکھ مسلمان جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں شہید کیے گئے تھے۔

مذکورہ عُلما کو جن عُلما ومشائخ سلف سے کسی نہ کسی شکل میں فکری وعملی رہنمائی ملی ان میں سے

چند اہم نام درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) (۲) حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں مجددی دہلوی (متوفی ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) (۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ/۲۳۔۱۸۲۴ء) (۴) حضرت قاضی ثناء اللہ مجددی پانی پتی (متوفی ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) (۵) حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) (۶) حضرت مفتی محمد عوض بریلوی (متوفی ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء) (۷) حضرت مفتی شرف الدین رام پوری (متوفی ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء)

۲۰۰۷ء میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے ڈیڑھ سو سال پورے ہو رہے ہیں اور پورا ملک جنگ آزادی ۱۸۵۷ء جو صحیح معنوں میں عملی جنگ ہے اس کی یاد منا رہا ہے اور سارے ہندوستانی باشندے اپنے جاں باز انقلابیوں اور سرفروش مجاہدوں کو خراج عقیدت پیش کررہے ہیں۔ اس تاریخی موقعہ پر ان چند مشاہیر علما اور انقلاب ۱۸۵۷ء میں ان کے قائدانہ کردار کا نہایت اختصار و اجمال کے ساتھ آیندہ صفحات میں تعارف کرایا جا رہا ہے جن کی یاد سے ہماری روح میں تازگی و توانائی اور حرارت و تپش کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

یٰسٓ اختر مصباحی
بانی وصدر دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵
موبائل: 09350902937
فون: 011-26986872
فیکس: 011-26987184

دوشنبہ
۲؍جمادی الآخرہ۔۱۴۲۸ھ
۱۸؍جون ۲۰۰۷ء

☆☆☆☆☆

عرضِ طبع جدید ۲۰۱۰ء

امام الحکمۃ والکلام قائدِ انقلاب علامہ فضلِ حق خیرآبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کی دینی وعلمی اور ادبی وسیاسی خدمات نے اپنے پورے عہد کو متأثر کیا اور ان کے نقوشِ فکر وعمل آج بھی اہلِ وطن اور سوادِ اعظم اہلِ سنت وجماعت کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

علم وفضل کے لحاظ سے خاکِ ہند اَب تک علامہ فضلِ حق خیرآبادی کا کوئی ثانی پیدا نہ کرسکی۔ وہ جامعِ منقول ومعقول عالمِ متبحر اور یگانۂ عصر فاضلِ جلیل تھے۔ رئیسانہ شان وشوکت کے ساتھ قلندرانہ جرأت واستقامت کے بھی پیکر تھے۔ اور وہ فکر وتحقیق کی بلند چوٹی پہ فائز ایک

ایسے ''بلند پرواز شاہین'' تھے جس کی مختلف علوم وفنون پر غائرانہ ومجتہدانہ نظر اور جُزئیات وکلیاتِ علوم وفنونِ متداولہ سب پر ان کی دسترس اور گرفت یکساں تھی۔

علامہ فضلِ حق خیرآبادی نے جہاں سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے قدیم ومتوارث عقائد ومعمولات سے مزاحم ومتصادم جدید مذھبی افکار ورجحانات کا شرعی مؤاخذہ اور سخت تعاقب فرمایا جس پر ''تحقیق الفتویٰ'' اور ''اِمتناعُ النظیر'' جیسی آپ کی شاہکار کتابیں شاہدِ عدل ہیں ، وہیں آپ نے ہندوستان کے غاصب وقابض حکمرانوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں جامع مسجد دہلی کے منبر سے اپنے ولولہ انگیز خطاب اور فتوائے جہاد سے قصرِ برطانیہ کو متزلزل کردیا۔ اور جب آپ کو گرفتار (در جنوری ۱۸۵۹ء) کر کے لکھنؤ کورٹ میں پیش کیا گیا تو اپنے خلاف دائر مقدمہ کے نِکات پر خود بحث کرتے ہوئے انگریز جج کے سامنے اپنے فتویٰ کا صرف اعتراف نہیں بلکہ اِظہار واِعلان کرتے ہوئے ببانگِ دُہل فرمایا:

''ہاں! وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میرا وہی فتویٰ اور وہی رائے ہے''۔

انگریز جج نے آپ کے خلاف حبسِ دَوام بعبور دریائے شور (جزیرۂ انڈمان / کالا پانی) کی سزا سنائی۔ جہاں پہنچ کر آپ نے صبر واستقلال کے ساتھ اپنی زندگی کے باقی ایام پورے کیے اور صفر ۱۲۷۸ھ / اگست ۱۸۶۱ء میں واصلِ بحق ہوگئے۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیہِ راجِعُون۔

۲۰۱۱ء میں علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے وصال کو ڈیڑھ سو سال پورے ہو رہے ہیں۔ اِس مناسبت سے ہندو پاک وبنگلہ دیش کے باشندوں کا عموماً اور اِن ممالک کے مسلمانوں کا خصوصاً یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے اس عظیم محسنِ ملک وقوم وملت کی یاد میں مرکزی مقامات پہ باوقار اجتماعات وتقریبات منعقد کریں۔ اپنے رسائل وجرائد کے یادگاری نمبر اور خصوصی شمارے شائع کریں اور عوام وخواص کے درمیان مجالس ومحافل سے ذرائعِ اِبلاغ تک ہر شعبے اور ہر مرحلے میں آپ کی نمایاں خدمات اور قربانیوں کا خوب چرچا کریں تاکہ نئی نسل اس عظیم وجلیل شخصیت کی انقلابی اور تاریخ ساز خدمات سے صحیح طور پر واقف ہوکر ان سے روشنی حاصل کرے اور ان کے نقوشِ قدم پر چلنے کا اپنے اندر عزم وحوصلہ پیدا کرے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں پر کیا گذری اس کی ہلکی سی جھلک انگریزوں کے ایک مداح وخیرخواہ منشی ذکاء اللہ دہلوی (متوفی نومبر ۱۹۱۰ء) کی مندرجہ ذیل رپورٹ سے ظاہر ہے۔

''غرض دلی کے آس پاس جتنے شاہزادے ملے جن کی تعداد انتیس (۲۹) بیان کی جاتی

ہے، پکڑے گئے اور ان میں بوڑھے لنگڑے بیمار سب کے سب پھانسی پر چڑھائے گئے۔''

(ص ۷۰۸۔ تاریخِ عروج عہدِ سلطنتِ انگلشیۂ ہند، مطبوعہ شمس المطابع دہلی ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۳ء، مؤلفہ ذکاء اللہ دہلوی)۔

مختلف نوابوں اور راجاؤں کی پھانسی کا ذکر کرتے ہوئے منشی ذکاء اللہ دہلوی نے لکھا ہے:

''سب کی پھانسی کا وقت سہ پہر تھا۔ ان کی پھانسی کے دن شہر کے سب دروازے بند ہوجاتے تھے اور سپاہ کی ایک کمپنی باجہ بجاتی ہوئی کوتوالی کے سامنے پھانسی کے پاس آکر کھڑی ہوتی تھی۔ قلعہ سے رئیس پھانسی پانے والا کرانچی پر جس کے گرد کٹہرا نہ ہوتا، اُکڑوں بٹھایا جاتا تھا اور اس کے پیچھے مشکیں کسی ہوئی ہوتی تھیں جن پر کچھ کپڑا ڈال دیا جاتا تھا۔ چاروں طرف کوتوالی کے فرنگی تماشائی بیٹھے ہوتے تھے۔ جس وقت تختہ پر مجرم کو چڑھا کے گلے میں اس کا پھندا ڈال کر نیچے گراتے تھے تو تماشائی فرنگی دل شاد ہوکر ایک خندہ دنداں نما کرتے تھے۔'' (ص ۷۱۰ حوالۂ مذکورہ)

''کوتوالی اور ترپولیہ کے درمیان جو حوض تھا اس کے تین طرف پھانسیاں کھڑی تھیں۔ ان میں ایک دفعہ دس بارہ آدمیوں کی پھانسی لگ سکتی تھی۔ جس روز پھانسی پانے والے زیادہ ہوتے تھے تو ان میں سے ایک گروہ پھانسی پر چڑھتا تھا، دوسرا گروہ کھڑا دیکھتا تھا کہ اب ہماری باری آئے گی۔'' (ص ۷۱۱ حوالۂ مذکورہ)

''بہت ہی کم مسلمان ایسے تھے کہ سپاہیانہ شان رکھتے ہوں وہ پھانسی کی ریسماں سے پیچاں نہ ہوئے ہوں۔ (ص ۷۱۲ حوالۂ مذکورہ)

ہنگامہ اور جنگ کے سبب جو لوگ دہلی سے فرار ہوکر کہیں پناہ گزیں تھے ان میں سے ہندؤں کو چند ہفتہ بعد کچھ جرمانہ کی ادائیگی کے ساتھ دہلی میں رہنے کی اجازت ملی پھر مارچ ۱۸۵۹ء میں کچھ مزید جرمانہ کی ادائیگی کے ساتھ مسلمانوں کو دہلی واپسی کی اجازت ملی۔ منشی ذکاء اللہ دہلوی (متوفی نومبر ۱۹۱۰ء) لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کی تباہی کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا...... ۱۸۵۹ء تک مسلمانوں کے مکانات سرکاری ضبطی سے چھوٹے نہیں اور نہ ان کے اخراج کا حکم منسوخ ہوا۔ وہ شہر کے اندر بغیر کسی افسر کے پاس کے نہیں آسکتے تھے۔'' (ص ۷۱۶ حوالہ مذکورہ)

''مساجد کا یہ حال ہوا کہ جامع مسجد جو شہر کی کل مساجد کی ناک تھی اس کو یوں نکٹا بنایا کہ سکھ

سپاہ کی بارک اس کو بنایا۔اس میں بول وبراز سے کچھ پرہیزنہیں کیا۔سکھوں نے اپنی کڑھائی حلوے کی مینار کے نیچے خوب چڑھائی۔سورذبح کرکے پکائے۔کتے جو انگریزوں کے ساتھ تھے وہ درگاہ شریف میں پڑے پھرتے تھے۔ایک اور مسجد رفیع الشان زینت المساجد تھی،جو گوروں کی مسکونہ گھر بنی۔(ص۱۶۷۔تاریخِ عروج عہدِ سلطنتِ انگلشیۂ ہند،مطبوعہ شمس المطابع دہلی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۳ء،مؤلفہ ذکاءاللہ دہلوی)۔

برطانوی سامراج نے ماضی میں جس ظلم وجارحیت کا ہندوستان اور بعض دیگر ممالک میں مظاہرہ کیا اس کی راہ پر آج امریکی سامراج گامزن ہے اور دنیا بھر میں اس کی سازش ودہشت گردی کا ایک بڑا نیٹ ورک پھیلا ہوا ہے۔اس نے بلاجواز جس طرح افغانستان وعراق کو پامال کیا ہے اسے تاریخِ انسانی کبھی بھلا نہیں سکتی۔ہندوپاک کے سلسلے میں بھی امریکی سامراج کی ریشہ دوانیاں کچھ کم نہیں ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس برطانوی وامریکی سامراج کی سازش ودہشت گردی سے ہمارے ملک اور ساری دنیا کو محفوظ رکھے اور اپنے بندوں کو ہدایت دے کر انہیں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کے ماحول میں زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

واللّٰہُ المؤفق وھوالمستعان وعَلیہِ التکلان۔ والصلوٰۃُ و السَّلام عَلیٰ سیدِنا محمدٍ سیدِ الانس والجان ۔وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ والَّذین اتبعوہ اِلیٰ یومِ القیام والمیزان۔

یٰسٓ اختر مصباحی
بانی وصدر دارالقلم،ذاکرنگر،نئی دہلی ۲۵
موبائل:09350902937

جمعہ مبارکہ
۱۲/ذوالحجہ۔۱۴۳۱ھ
۱۹/نومبر۔۲۰۱۰ء

انقلاب ۱۸۵۷ء میں عُلما کا قائدانہ کردار

(۱) علامہ فضلِ حق خیرآبادی

علامہ فضلِ حق خیرآبادی (متولد ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء۔متوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) فرزندِ علامہ فضلِ امام فاروقی خیرآبادی صدرالصدور دہلی (متوفی ۱۲۴۴ھ/۲۹۔۱۸۲۸ء) علوم اسلامیہ میں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء) وشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ/۲۴۔۱۸۲۳ء) اور علوم عقلیہ میں اپنے نامور والد ماجد علامہ فضلِ امام خیرآبادی کے شاگرد تھے۔تیرہ سال کی عمر میں تکمیلِ علوم وفنون کے بعد درس وتدریس میں مصروف ہوئے اور ۱۸۱۵ء میں سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔درس وتدریس،تصنیف وتالیف،افادہ وافاضہ کا سلسلہ آپ نے برابر جاری رکھا جس کی شہادت آپ کی فاضلانہ ومحققانہ کتب ورسائل اور مقتدر شاگردوں سے ملتی ہے۔اور آپ کے سلسلۂ خیرآباد کی برکات وحسنات کی نہریں ارضِ ہندوپاک میں آج بھی جاری ہیں۔

حکیم محمود احمد برکاتی ٹونکی (کراچی) نبیرۂ حکیم سید برکات احمد ٹونکی (متوفی ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) نہایت اختصار کے ساتھ آپ کا تعارف اس طرح تحریر کرتے ہیں:

’’ولادت ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء۔فراغتِ درس (بعمر ۱۳ سال) ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء۔ملازمتِ کمپنی ۱۲۳۱/۱۸۱۶ سے کچھ قبل۔ ولادتِ فرزند گرامی (مولانا عبدالحق) ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء۔ ولادتِ فرزند (علاء الحق) ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء۔ وفاتِ والد ماجد (مولانا فضلِ امام خیرآبادی) ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء۔کمپنی کی ملازمت (سررشتہ داری عدالت دیوانی دہلی) سے استعفاء ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۱ء کے اواخر میں۔ملازمت ریاستِ جھجر میں ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۲ء۔پھر چند سال الور،سہارن پور اور ٹونک میں قیام کے بعد ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء سے ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء تک ریاست رام پور میں قیام (محکمۂ نظامت اور مرافعۂ عدالتین کے حاکم کی حیثیت سے) ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء سے ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کے اوائل تک لکھنؤ میں قیام (کچہری حضور تحصیل کے مہتمم اور صدر الصدور کی حیثیت سے) ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کے ابتدائی مہینوں میں الور تشریف لے آئے اور رمضان ۱۲۷۳ھ/مئی ۱۸۵۷ء میں سن ستاون کی جنگِ آزادی کے آغاز پر دہلی تشریف لے آئے اور پورے ڈیڑھ سال (مئی ۱۸۵۷ء سے دسمبر ۱۸۵۸ء) تک دہلی اور اودھ کے مختلف اضلاع میں مجاہدینِ حریت کی رفاقت، اعانت اور قیادت فرماتے رہے۔جنوری ۱۸۵۹ء میں گرفتار کرلیے گئے۔مقدمہ چلا اور جرم

ثابت ہونے پر تمام زرعی اور مسکونہ جائداد اور ذخیرۂ نوادر کتب خانے کی ضبطی اور حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا سُنا دی گئی۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں پورٹ بلیئر (جزائر انڈمان) پہنچا دیئے گئے جہاں ۱۲/صفر ۱۲۷۸ھ/ اگست ۱۸۶۱ء کو ۶۶ سال کی عمر میں وصال ہوا۔
(ص۲۰ و ۲۱۔ فضل حق اور ۱۸۵۷ء مؤلفہ حکیم محمود احمد برکاتی ٹونکی، مطبوعہ برکات اکیڈمی۔ کراچی۔ ۱۹۷۵ء)

نواب فیض محمد خاں والیِ ریاستِ جھجھر (پنجاب) کی دعوت پر جب آپ ۱۸۳۱ء میں دہلی چھوڑ کر جھجھر جانے لگے تو آخری مغل بادشاہ، بہادر شاہ ظفر (متوفی ۱۸۶۲ء، رنگوُن، برما) نے نہایت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنا دوشالہ آپ کو اُڑھا کر پُرنم آنکھوں سے وداع کرتے ہوئے کہا:

’’چوں کہ آپ جانے کو تیار ہیں اس لئے اب اس کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہیں کہ میں بھی اسے منظور کروں مگر اللہ جانتا ہے کہ لفظِ وداع زبان پر لانا دشوار ہے۔(یادگار غالب، مطبوعہ دہلی)

جھجھر (پنجاب) اور ریاست الُور وٹونک ورام پور میں ملازمت کے بعد آخر میں آپ لکھنوٴ پہنچے اور وہاں صدر الصدور اور مہتمم ’’حضور تحصیل‘‘ ہوئے۔ دہلی میں بھی عرصہ تک آپ سر رشتہ دار رہے۔ دو سال تک سہارن پور میں بھی کسی عہدہ پر فائز رہے۔ آپ نے کئی معرکۃُ الآرا کتابیں لکھیں اور آپ کے کئی ایک شاگرد اپنے دور کے مشاہیر عُلَما و فُضَلا میں شمار ہوتے ہیں۔

علامہ فضل حق اور مفتی صدر الدین آزردہ کا گھر دہلی کے عُلَما و فُضَلا واُدَبا و شُعَرا کا مرکز تھا۔

ماہِ مئی میں انقلاب ۱۸۵۷ء شروع ہوا تو آپ ریاست الُور (راج پوتانہ۔ موجودہ صوبہ راجستھان) سے دہلی کئی بار آئے گئے۔ بہادر شاہ ظفر سے ملاقاتیں کیں۔ جنرل بخت خاں سے مشورے کیے اور انقلاب کی رہنمائی کرتے رہے۔

علامہ فضلِ حق کے دہلی پہنچنے اور فتوائے جہاد جاری کرنے کے تعلق سے غلامِ رسول مہر (۱۸۸۵ء۔ ۱۹۷۱ء) جو حلقۂ دیوبند واہلِ حدیث کے معروف مؤرخ ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

مولانا (فضلِ حق خیر آبادی) کے دہلی پہنچنے سے پیشتر بھی بعض لوگوں نے جہاد کا پرچم بلند کیا تھا۔ مولانا پہنچے تو مسلمانوں کو جنگ پر آمادہ کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک فتویٰ مرتب ہوا جس پر علمائے دہلی سے دست خط لیے گئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فتویٰ مولانا فضل حق ہی کے مشورہ سے تیار ہوا تھا او رانہیں نے عُلَما کے نام تجویز کیے جن سے دست خط لیے گئے۔ (ص ۲۰۰، ۱۸۵۷ء کے مجاہد۔ مرتبہ غلام رسول مہر، طبع سوم لاہور ۱۹۹۱ء)

بہادر شاہ ظفر سے ملاقات و مشورہ، علمائے دہلی سے تبادلۂ خیال اور انقلابیوں سے رسم وراہ کا یہ سلسلہ مئی سے جاری رہا۔ پھر ۲۶/جون یا پہلی جولائی کو جنرل بخت خاں روہیلہ جب بریلی سے

چودہ ہزار فوج لے کر دہلی پہنچا تو منشی ذکاء اللہ دہلوی (متوفی نومبر ۱۹۱۰ء) کے بیان کے مطابق:

علامہ نے بعد نماز جمعہ جامع مسجد دہلی میں عُلَما کے سامنے تقریر کی۔ استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدر الدین آزردہ، مولوی عبد القادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی، سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کیے۔ اس فتویٰ کے شایع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہوگئی۔ (تاریخ ذکاء اللہ مطبوعہ دہلی بحوالہ ص ۲۱۵۔ باغی ہندوستان۔ مرتبہ عبد الشاہد شیروانی علی گڈھی۔ طبعِ چہارم (۱۹۸۵ء) مبارک پور ضلع اعظم گڈھ۔ طبعِ اول مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء مع مقدمۂ مولانا ابوالکلام آزاد)

شاہی طبیب اور برطانوی وفادار حکیم احسن اللہ خاں علامہ فضلِ حق کے جہادِ مسلسل کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

’’مولوی (فضلِ حق) صاحب جب بھی بادشاہ کے پاس آتے، بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جہاد کی مہم میں اپنی رعایا کی ہمت افزائی کریں اور ان کے ساتھ باہر (میدان میں) بھی نکلیں۔ فوجی دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں ورنہ انگریز اگر جیت گئے، تو نہ صرف خاندانِ تیمور بلکہ مسلمان نیست و نابود ہو جائیں گے۔

(Memairs Of Hakeem Ahsanullah Khan, Karachi-P24)

برطانوی جاسوس منشی جیون لال نے پنی یادداشت محررہ ۱۸/اگست ۱۸۵۷ء میں لکھا ہے:

’’مولوی فضل حق نے بیان کیا کہ انگریزوں نے اخبار میں چھاپا ہے کہ جس وقت دہلی فتح ہوگی شہر میں قتلِ عام کیا جائے گا اور شہر خوب غارت ہوگا اور بادشاہی خاندان میں سے کوئی نام لینے والا پانی دینے والا نہیں ہوگا۔ اور کمالِ تأسف کی بات یہ ہے کہ سپاہیوں نے لڑائی کے قواعد چھوڑ دیے ہیں لہذا کوئی صورت انگریزوں پر فتح کی معلوم نہیں ہوتی۔ اس پر بادشاہ (بہادر شاہ ظفر) نے کہا کہ:

تم فوج میں اپنا بندوبست کرو اور آپ ان کو خود لڑانے لے جایا کرو۔ اس کے جواب میں اس نے عرض کیا کہ فوج بھوکی مرتی ہے اور جب تک اس کو خرچ نہیں دیا جائے گا، یہ ہرگز کسی کا کہنا نہیں مانے گی۔ اس پر حکم ہوا کہ: تم اپنے ساتھ فوج لو اور خود مال گزاری کی تحصیل کرو۔ غدر کی صبح و شام۔

(ص ۲۱۲۔ سرگزشتِ دہلی۔ مرتبہ ڈاکٹر درخشاں تاجور۔ مطبوعہ رضا لائبریری رام پور۔ یوپی۔ انڈیا۔ طبع اول ۲۰۰۷ء)

جناب وقار الحسن صدیقی، سابق ڈائرکٹر آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا وسابق او ایس ڈی رضا لائبریری رام پور، یوپی (انڈیا) ص ۱۴۔ پیش لفظ ’’تاریخ جنگِ آزادیِ ہند ۱۸۵۷ء، مؤلفہ سید

خورشید مصطفیٰ رضوی، مطبوعہ رضا لائبریری رام پور۔ یوپی۔ طبعِ اول ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء کے اندر یہ تاریخی ریکارڈ درج کرتے ہیں کہ:

''انگریزوں کے جاسوس گوری شنکر نے ۱۸/اگست ۱۸۵۷ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:
مولوی فضلِ حق جب سے دہلی آیا ہے، شہریوں اور فوج کو انگریزوں کے خلاف اُکسانے میں مصروف ہے۔

وہ کہتا پھرتا ہے کہ اس نے آگرہ گزٹ میں برطانوی پارلیمنٹ کا ایک اعلان پڑھا ہے جس میں انگریزی فوج کو دہلی کے تمام باشندوں کو قتل کردینے اور پورے شہر کو مسمار کردینے کے لئے کہا گیا ہے۔ آنے والی نسلوں کو یہ بتانے کے لئے کہ یہاں دہلی کا شہر آباد تھا، شاہی مسجد کا صرف ایک مینار باقی چھوڑا جائے گا''۔

(INDIAN OFFICE LONDON, MUTINY COLLECTION NO.170 PP.442-443)

''ضلع گوڑ گانوہ کے زمین داروں کی طرف سے درخواست آئی کہ سارے ضلع میں بدنظمی ہے۔ کوئی حاکم انتظام کے لئے بادشاہ کی طرف سے بھیجا جائے۔ بادشاہ نے یہ کام مولوی فضلِ حق کے سپرد کیا۔ مولوی صاحب عالم متبحر مشہور تھے۔ وہ الُور سے ترکِ ملازمت کرکے آئے تھے۔ انھوں نے بادشاہ کے لئے ایک دستور العمل لکھا تھا۔ (ص ۶۸۷۔ تاریخ عروج عہدِ سلطنتِ انگلشیۂ ہند۔ از ذکاءاللہ دہلوی۔ مطبوعہ شمس المطابع دہلی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۳ء)

''مولانا عبدالحق (فرزند مولانا فضلِ حق خیرآبادی) کے نام حکم تھا کہ وہ تحصیل زرِمال گذاری کا انتظام کرے۔ (ص ۶۹۱۔ تاریخ عروج عہدِ سلطنت انگلشیۂ ہند۔ از ذکاءاللہ دہلوی)

دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہونے کے بعد کسی طرح یہاں سے نکل کر علامہ فضلِ حق خیرآبادی اَوَدھ پہنچے۔ جنوری ۱۸۵۹ء میں آپ کو گرفتار کرکے آپ کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلا اور کالا پانی کی سزا ہوئی۔ آپ نے اپنا مقدمہ خود لڑا اور عدالت میں کہا کہ:

''جہاد کا فتویٰ میرا لکھا ہوا ہے اور میں آج بھی اپنے اس فتویٰ پر قائم ہوں۔

مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

''......مولانا (فضلِ حق خیرآبادی) کی دینی آزمائش کا وقت آیا اور غدر ۱۸۵۷ء کے بعد مولانا بھی باغی قرار دیے گئے۔ ۱۸۵۹ء میں سلطنتِ مغلیہ کی وفاداری یا فتوائے جہاد کی پاداش یا جرمِ بغاوت میں مولانا ماخوذ ہو کر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔

مقدمہ چلا تو رہائی کے بہت سے اسباب اگرچہ پیدا ہوگئے تھے لیکن مولانا نے خود فتویٰ کی تصدیق نہایت جرأتِ ایمانی سے کردی اس لئے عبور دریائے شور کی سزا ہوئی اور وہ جزیرۂ انڈمان روانہ کردیے گئے۔ (ص ۳۳۲، حُکمائے اسلام جلد دوم، مؤلفہ مولانا عبد السلام ندوی، دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ یوپی)۔

''انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ آپ کے ایما پر تیار ہوا اور اس پر آپ کے دست خط تھے۔ کردار اتنا بلند تھا کہ اس ''جرم'' کی پاداش میں جب مقدمہ چلا تو گواہ اسے ثابت نہ کرسکے مگر مولانا نے خود اس کا اعتراف کرلیا اور اس حق گوئی کی بنا پر جزیرۂ انڈمان بھیجے گئے اور وہیں وفات پائی۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ شمارہ ۱۳/دسمبر ۱۹۷۹ء بقلم میاں عبدالرشید کالم نگار نوائے وقت بعنوان ''نوربصیرت'')

پروفیسر محمد ایوب قادری (متوفی نومبر ۱۹۸۳ء کراچی) لکھتے ہیں:

''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے مردانہ وار حصہ لیا۔ دہلی میں جنرل بخت خاں کے شریک رہے۔ لکھنؤ میں حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے۔ آخر میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا۔ بعبورِ دریائے شور کی سزا ہوئی۔ جزیرۂ انڈمان بھیجے گئے۔ اور وہیں ۱۲/صفر ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء میں انتقال ہوا۔ جزیرۂ انڈمان میں دفن ہوئے۔ (ص ۳۸۳۔ تذکرۂ علمائے ہند۔ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی)

علامہ فضل حق کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیرآبادی (متولد ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء۔ متوفی ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء) پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ کے بارے میں ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر لکھتا ہے کہ:

''موجودہ ہیڈ مولوی اس عالم دین کے صاحبزادے ہیں جن کو ۱۸۵۷ء کے غدر نے نمایاں کردیا تھا۔ اور جنھوں نے اپنے جرموں کا خمیازہ اس طرح بھگتا تھا کہ بحرِ ہند کے ایک جزیرہ میں تمام عمر کے لئے جلاوطن کردیے جائیں۔ اس غدار عالمِ دین کا کتب خانہ جس کو حکومت نے ضبط کرلیا تھا اب کلکتہ کالج میں موجود ہے۔ (۲۰۳۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان، مؤلفہ ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر، مطبوعہ الکتاب انٹرنیشنل، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵)

علامہ کے سوانح نگار اور الثورۃ الھندیہ (باغی ہندوستان) کے مترجم مولانا عبدالشاہد شیروانی علی گڑھی (متوفی ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء) لکھتے ہیں کہ:

''مولانا (عبدالحق خیرآبادی) نے آخر وقت وصیت فرمائی کہ جب انگریز ہندوستان سے چلے جائیں تو میری قبر پر خبر کردی جائے۔ چنانچہ ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو رفیقِ محترم مولوی سید نجم الحسن رضوی خیرآبادی نے مولانا (عبدالحق) کے مدفن (درگاہ مخدومیہ خیرآباد، سیتاپور۔ اودھ) پر

ایک جمِ غفیر کے ساتھ حاضر ہو کر میلاد شریف کے بعد قبر پر فاتحہ خوانی کی۔

اور اس طرح پورے پچاس سال (از ۱۸۹۸ء تا ۱۹۴۷ء) کے بعد انگریزی سلطنت کے خاتمہ کی خبر سنا کر وصیت پوری کی۔ جزاہُ اللّٰہُ خیرَ الجزاء۔ (ص ۱۲۔ مقدمہ زبدۃ الحکمہ، از عبدالشاہد شیروانی۔ مطبوعہ علی گڈھ ۱۹۴۹ء)

علامہ فضلِ حق خیرآبادی کا جزیرۂ انڈمان (کالا پانی) میں ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ ۲۰۱۱ء میں علامہ کے وصال اور ۲۰۰۷ء میں جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے ڈیڑھ سو سال پورے ہوئے۔

(۲) مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی

مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی (متولد ۱۲۰۴ھ/ ۱۷۸۸ء۔ متوفی ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) کشمیری نسل کے دہلوی عالم و فاضل تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ/ ۲۴-۱۸۲۳ء) اور علامہ فضلِ امام فاروقی خیرآبادی (متوفی ۱۲۴۴ھ/ ۲۹-۱۸۲۸ء) سے آپ نے تعلیم حاصل کی تھی۔ ۱۸۲۷ء سے ۱۸۴۶ء تک آپ دہلی کے صدرِ امین اور ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۷ء تک صدر الصدور تھے۔ انگریزی عہدِ حکومت میں دہلی کا صدر الصدور ہونا کسی مسلمان عالم کے لئے سب سے بڑا عہدہ تھا۔ آپ کا دولت کدہ دہلی کے عُلَما و فُضَلا و اُدبا و شُعرا کا مرکز اور مرجع تھا۔ سرسید احمد خاں (متوفی ذوالقعدہ ۱۳۱۵ھ/ مارچ ۱۸۹۸ء) نے اپنی مشہور تاریخی کتاب ''آثار الصنادید'' (ص ۵۲۴) مطبوعہ دہلی میں آپ کو اپنے زمانے کا جامع الصفات عالم و فاضل لکھا ہے۔

چنانچہ سرسید احمد خاں (متوفی مارچ ۱۸۹۸ء) لکھتے ہیں:

''اکمل کملائے روزگار، افضلِ فضلائے ہر دیار، حاکمِ محاکمِ جاہ و جلال، متّکی ارائکِ اقبال............ جامع محاسنِ صوری و معنوی، مستجمع کمالاتِ ظاہری و باطنی، کاشفِ دقائقِ معقول و منقول، واقفِ حقائقِ فروع و اصول، تونگر صورت درویش سیرت، انسان پیکر ملک سریت، مرجعِ مآربِ جہان و جہانیان مولانا مخدومنا مفتی محمد صدرالدین خان بہادر۔

.... بے شائبہ تکلف و بے آمیزشِ مبالغہ ایسا فاضل اور ایسا کامل کہ جامعِ فنونِ شتّٰی اور مستجمعِ علوم بے منتہا ہو، اب سوا اِس سرگروہ علمائے روزگار کے بساطِ عالم پر جلوہ گر نہیں۔

.... راہِ حق میں تیز رو اور مسلکِ دنیا میں کاہل کوش، لیکن تونگریِ ظاہری درویشیِ معنوی کی پردہ پوش ہے۔

کسانے کہ راہِ خدا داشتند
چنیں خرقہ زیرِ قبا داشتند

اگر مولوی جامی زندہ ہوتے، یہ بیت

چو فقر اندر لباسِ شاہی آمد
بہ تدبیر عبید اللّٰہی آمد

سوا اِس برگزیدۂ انفس و آفاق کے اور کسی شان میں نہ کہتے۔

چوں کہ اربابِ معنیٰ پر یہ بات ظاہر ہے کہ لباسِ فقر میں مصروفِ اطاعت ہونا اور گوشۂ خلوت کو واسطے فراغ عبادت کے اختیار کرنا موجبِ شہرت ہے۔ اور صیت بلند بسبب کثرتِ اہلِ دنیا کے اس شغل کے اہم سے باز رکھتی ہے، لباسِ اہلِ ظاہر کو اختیار کیا۔ اور از بس کہ احقاقِ حق اور فریادرسی عباد اور عدل و انصاف افضلِ عبادات ہے، منصبِ صدارت کو اپنے ذمہ لیا۔

سبحٰن اللہ! کیا طریقۂ داد ہے اور کیا سررشتۂ انصاف ہے۔ الخ (ص ۵۲۴ تا ۵۲۶۔ آثارُ الصنادید از سرسید احمد خاں۔ مطبوعہ اردو اکاڈمی دہلی ۲۰۰۰ء)

حکیم عبدالحی رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء) سابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العُلَما لکھنؤ لکھتے ہیں کہ:

''مفتی صدرالدین خان بہادر، عالی خاندان، والا دودمان، سرمایۂ نازشِ ہندوستان، فضل و کمال اور فنونِ ادبیہ میں آپ اپنا جواب تھے۔'' (۲۲۷۔ گلِ رعنا۔ مطبوعہ دارالمصنفین، اعظم گڈھ)

پروفیسر محمد ایوب قادری (متوفی نومبر ۱۹۸۳ء کراچی) لکھتے ہیں:

''دہلی میں مفتی صدرالدین آزردہ کی امتیازی حیثیت تھی۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں فتویٰ جہاد پر دستخط کیا۔ اس کی وجہ سے گرفتاری، عزلِ منصب اور ضبطیِ جائداد کی نوبت پہنچی۔ چند ماہ کے بعد رہا ہوئے۔ نصف جائداد واگذاشت ہوئی۔ (ص ۲۴۸۔ تذکرۂ علمائے ہند، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی۔ طبعِ اول ۱۹۶۱ء)

۱۸۵۷ء میں عُلَما نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا کئی بار اور کئی جگہ فتویٰ دیا تھا۔ ایک فتویٰ پر مفتی صدرالدین آزردہ کا دستخط ہے جو اخبار الظفر دہلی میں چھپا پھر اس کی نقل صادق الاخبار دہلی

مورخہ ۲۶؍ جولائی ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی۔ یہ اخبار نیشنل آرکائیوز نئی دہلی میں محفوظ ہے۔ انقلاب کے دوران مفتی آزردہ لال قلعہ میں بہادر شاہ ظفر کے پاس آتے جاتے رہے اور انقلابی مجاہدین بھی آپ سے ہدایت حاصل کرنے آپ کے گھر آتے جاتے رہے (روزنامچہ منشی جیون لال مطبوعہ دہلی و روزنامچہ عبداللطیف مطبوعہ دہلی)

شاہجہانی جامع مسجد دہلی کے جنوب میں مغل بادشاہ شاہجہاں نے دارالبقا کے نام سے ایک مدرسہ بنوایا تھا جو گردشِ زمانہ سے ویران ہوگیا تھا اسے مفتی صدرالدین آزردہ نے بہادر شاہ ظفر سے لے کر آباد کیا اور تعلیم کا سلسلہ از سرِ نو شروع کیا۔ (ص ۲۸۳۔ آثار الصنادید مؤلفہ سرسید، مطبوعہ اردو اکاڈمی دہلی ۲۰۰۰ء)

مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء) کے والد مولانا خیرالدین دہلوی (متوفی ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء) اور دادا شیخ محمد ہادی دہلوی مفتی آزردہ کے شاگرد تھے۔ اسی طرح مفتی سعد اللہ مرادآبادی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، نواب یوسف علی خاں والی ریاست رام پور، نواب ضیاء الدین خاں نیر، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، مولوی سمیع اللہ دہلوی، مولوی فقیر محمد جہلمی وغیرھم آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے کئی کتابیں بھی لکھیں۔ عربی و فارسی کے علاوہ اردو زبان کے آپ بہترین شاعر تھے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء میں انگریز جب غالب آگئے تو آپ کے خلاف مقدمۂ بغاوت چلا۔ بڑی کوشش پیروی اور قید و بند کے بعد کسی طرح آپ کو نجات ملی۔ مگر جائداد کا بڑا حصہ ضبط ہوگیا۔ اپنے ذاتی سرمایہ سے آپ نے تین لاکھ روپے کی نہایت اہم اور نادر کتابیں اپنی ذاتی لائبریری میں جمع کی تھیں جو انقلاب کے دوران ضائع ہوگئیں۔

جامع مسجد دہلی کو انگریزوں نے انقلاب کی ناکامی کے بعد قبضہ کرکے اسے اصطبل بنا دیا تھا۔ مفتی آزردہ نے عمایدِ شہر کے ساتھ مل کر اس کی واگذاری کی مسلسل کوشش کی جس کے نتیجے میں نومبر ۱۸۶۳ء میں ایک معاہدہ کے تحت انگریزوں نے اسے واگذار کیا۔ (ص ۴۸۔ غدر کے چند علما مؤلفہ انتظام اللہ شہابی مطبوعہ دینی بک ڈپو، اردو بازار، دہلی)۔ مکاتیب غالب میں بھی مسجد کی واگذاری کا ذکر ہے۔

مفتی آزردہ کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ تقریباً ۱۸۴۶ء میں انھوں نے اپنے خط کے ساتھ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی (متوفی ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء) کو آگرہ بھیجا جہاں انھوں نے ''مجلسِ علما''

قائم کر کے انگریزوں سے ہندوستان کو پاک کرنے کی مسلسل تحریک چلائی اور انقلاب ۱۸۵۷ء میں ان عُلما نے مختلف محاذ پر انگریزوں سے جم کر مقابلہ کیا۔

اِکیاسی سال کی عمر میں ۲۴؍ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ/ ۱۶؍ جولائی ۱۸۶۸ء میں دہلی کے اندر مفتی آزردہ کا انتقال ہوا اور چراغ دہلی میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

(۳) مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی

دلاور جنگ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی (متولد ۱۲۰۴ھ/ ۱۷۸۷ء۔ شہید ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء) چنیا پٹن تعلقہ پورنا ملّی جنوبی ہند کے نواب محمد علی، مشیر و مصاحبِ سلطان ٹیپو کے فرزند تھے۔ اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں کے ساتھ جب مولانا مدراسی کہیں نکلتے تو ایک دستہ نقارہ اور ڈنکا پیٹتا ہوا ساتھ ساتھ چلتا تھا اسی لئے آپ کو ڈنکا شاہ اور نقارہ شاہ بھی کہا جاتا تھا۔

عہدِ شباب ہی میں آپ پر فقر و تصوف کا غلبہ ہوا اور ریاضت و مجاہدہ کے لئے گھر بار چھوڑ کر حیدرآباد دکن اور مدراس وغیرہ ہوتے ہوئے انگلستان پہنچ گئے۔ وہاں سے مصر گئے اور پھر حجاز پہنچ کر حج و زیارت کے بعد ترکی وایران وافغانستان ہوتے ہوئے ہندوستان واپس آئے۔

بیکانیر و سانبھر (راج پوتانہ) میں بارہ سال تک ریاضت و مجاہدہ اور چِلّہ کشی کی۔ پھر جے پور (راج پوتانہ) آکر میر قربان علی شاہ چشتی کے مرید ہوئے اور خلافت سے سرفراز کیے گئے۔ یہاں سے ٹونک (راج پوتانہ) گئے۔ وہاں آپ کی مجالسِ سماع سے کچھ لوگوں کو اختلاف ہوا جس سے دل برداشتہ ہوکر گوالیار کا سفر کیا۔ وہاں محراب شاہ قلندر گوالیاری کی خدمت میں پہنچے اور اس حکم کے ساتھ آپ کو محراب شاہ نے اجازت و خلافت دی کہ ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے ہر حال میں آزاد کرانا ہے۔ اسی ارادہ سے آپ تقریباً ۱۸۴۶ء میں گوالیار سے دہلی پہنچے۔

دہلی کے مشاہیر علما و مشائخ سے آپ نے ملاقات و گفتگو کی۔ مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی صدر الصدور دہلی نے مشورہ دیا کہ اس مہم کے لئے ماحول سازی آگرہ کے اندر بہتر اور مؤثر طریقے سے ہوسکتی ہے۔ ساتھ ہی مفتی آزردہ نے مفتی انعام اللہ سرکاری وکیل آگرہ (ساکن گوپامئو ضلع ہردوئی۔ یوپی۔ متوفی ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۹ء آگرہ) کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھا۔ آگرہ پہنچ کر آپ نے دینی و علمی شخصیات اور سربرآوردہ حضرات سے رابطہ قائم کیا۔ آپ کا اثر روز بروز بڑھتا اور پھیلتا گیا۔ ''مجلسِ علما'' آگرہ قائم کر کے آگرہ کے عُلما کو آپ نے مربوط و منظّم

کیا۔ یہ عُلَما آپ کے دست و بازو بن گئے۔ آگرہ اُس زمانے میں مرکزِ عُلَما واُدَبا وشُعَرا تھا۔

مولانا مدراسی نے دہلی و آگرہ کے بعد میرٹھ، پٹنہ، کلکتہ وغیرہ کے بھی دورے کیے اور انگریزوں کے خلاف مہم کا دائرہ کافی وسیع کرلیا۔ سید خورشید مصطفیٰ رضوی لکھتے ہیں:

''تحریک ۱۸۵۷ء کے لئے پورے ملک کو تیار کرنے میں مولانا شاہ احمد اللہ کا نام سرِفہرست آتا ہے۔ وہ ملک کے گوشے گوشے میں دورے کرکے بغاوت کے لئے عوام کو آمادہ کررہے تھے۔

میلسن (Malleson) لکھتا ہے کہ:

بے شک اس تمام سازش کا رہنما مولوی (احمد اللہ) تھا اور یہ سازش تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔............ میں سمجھتا ہوں کہ یہی شخص بغاوت کی سازش کا دماغ و دست و بازو تھا۔ اپنے سفر کے دوران اسی نے وہ اسکیم تیار کی جو چپاتی اسکیم کہلاتی ہے۔ (ص ۲۰۵۔ تاریخ جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء۔ مطبوعہ رضا لائبریری رام پور)۔

لکھنؤ، فیض آباد، شاہجہاں پور میں مولانا مدراسی نے انگریزوں سے گھمسان کی جنگ لڑی۔ آخر میں محمدی (شاہجہاں پور) میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، شہزادہ فیروز شاہ، جنرل بخت خاں، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی وغیرہ نے اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ مگر راجہ بلدیو سنگھ (پوائیں، شاہجہاں پور) کی غداری کی وجہ سے مولانا مدراسی اپنی مہم میں ناکام ہوکر ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء میں شہید ہوگئے اور بلدیو سنگھ کو انگریزوں نے پچاس ہزار روپے کا انعام دیا۔

قائدِ حریت مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی کو انقلاب ۱۸۵۷ء کے آخری معرکہ بمقام محمدی (شاہجہاں پور) میں راجہ جگن ناتھ کے بھائی راجہ بلدیو سنگھ (پوائیں، شاہجہاں پور) نے کس طرح فریب و دغا دے کر شہید کرایا، اس کا ذکر کرتے ہوئے قائدِ انقلاب علامہ فضلِ حق خیرآبادی تحریر فرماتے ہیں:

(آئندہ سطور میں عامل سے مراد مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی اور زمین دار سے مراد راجہ بلدیو سنگھ ہے)

''اس موقع پر نصاریٰ سے قتال کے لئے دوسری طرف کا ایک عامل اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے نیکی وخیرات وسعادت وحسنات کا کافی ذخیرہ اپنے اندر جمع کرلیا تھا۔ وہ بڑا ہی پاک طینت، صاف باطن، متقی، پرہیزگار، بہادر اور رسولِ ملاحم و نبیِ مراحم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نام تھا۔ اس نے نصاریٰ کے لشکر پر حملہ کرکے پہلے ہی حملے میں انہیں شکست دے دی۔

اپنی ساری کوشش ختم کرکے نصاریٰ بھاگے اور قصبہ کے ایک ہندو کے مضبوط ومحفوظ مکا

ن میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اور نصرانی سرداروں وامیروں کے پاس شہر میں پیغام بھیج کر مدد مانگی۔ جنہوں نے بدعہدی کرنے والے منافقوں و دیہاتیوں پر مشتمل ایک لشکر اپنے محصور نصاریٰ کی مدد کے لئے بھیج دیا۔

ادھر اس نیک سرِشت بہادر عامل سے ایک دیہاتی غیر مسلم زمیندار نے بڑا داؤ کھیلا۔ اس نے قسمیں کھا کر اطمینان دلایا کہ جب دونوں جماعتیں مقابلہ پر آجائیں گی تو چار ہزار بہادروں کا گروہ لے کر میں مدد کے لئے پہنچوں گا۔ جب مقابلہ کی نوبت آئی تو اس زمیندار کی قسموں پر بھروسہ کرکے اس دیانت دار عامل نے اپنے تھوڑے سے بہادروں کے ساتھ دشمن پر حملہ کردیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سامنے سے بندوقوں وتوپوں سے چہرہ وسینہ پر نصاریٰ نے گولیاں برسائیں اور پیچھے سے اس غدار مکار زمیندار کی جماعت نے پُشت وسُرِین کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ یہ زمیندار اور اس کے لوگ درحقیقت نصاریٰ کے اعوان وانصار اور شیطان کے بھائی بند تھے۔

وہ خدا پرست عامل معرکہ میں گرکر شہید ہوا اور اس کی ساری جماعت نے بھی اسی کے نقش قدم پر چل کر جامِ شہادت نوش کیا۔ (الثورۃ الھندیہ (باغیٔ ہندوستان) تحریر علامہ فضلِ حق خیرآبادی۔ ترجمہ مولانا عبدالشاہد شیروانی علی گڑھی۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور ضلع اعظم گڈھ، انڈیا۔ ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء)

پروفیسر محمد ایوب قادری (متوفی ۱۹۸۳ء کراچی) لکھتے ہیں کہ:

شاہ احمد اللہ صاحب کی شہادت پر روہیل کھنڈ کی ہی جنگ آزادی نہیں بلکہ درحقیقت ہندوستان کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ختم ہوگئی۔ (ص ۳۰۳۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ مطبوعہ کراچی)

انگریز مؤرخ جی ڈبلیو فارسٹر لکھتا ہے:

یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی تھا۔ روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی تھا۔ اور جنگی مہارت کی وجہ سے سپاہی اور سپہ سالار تھا۔ (ہسٹری ڈی انڈین میوٹنی)

(۴) مولانا فیض احمد بدایونی

مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی (متولد ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء۔ متوفی نامعلوم) فرزند مولانا حکیم غلام احمد عثمانی بدایونی (متوفی ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء) کی تعلیم وتربیت آپ کے ماموں علامہ فضلِ رسول عثمانی بدایونی (متوفی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) کی سرپرستی ونگرانی میں ہوئی۔ چودہ سال کی عمر میں تکمیلِ

علوم وفنون سے فارغ ہوئے۔اپنے وقت کے بڑے عالم وفاضل اور بہترین شاعر تھے۔اپنے نانا شاہ عین الحق عبدالمجید عثمانی بدایونی (متوفی ۱۲۳۳ھ/۱۸۲۰ء) سے بیعت تھے۔

مولانا محمد یعقوب ضیا قادری بدایونی (متولد ۱۳۱۰ھ/۱۸۸۳ء بدایوں۔متوفی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ءدرکراچی) مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی کے حالات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''فاضلِ دہراستاذُالعصرعلامۂ اوحدمولانا فیض احمد قدس اللّٰہ سرہ الصمد۔آپ علمی دنیا میں عُلَما کے سرتاج اور مجلسِ عُرفا میں معرفت کے روشن چراغ تسلیم کیے گئے ہیں۔۱۲۲۳ھ میں عالمِ وجود میں بزم آرا ہوئے۔کم سِنی میں فخر الاطباء(حکیم غلام احمد متوفی ۱۲۲۶ھ) کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے جو ولیۂ عصراور عفیفۂ دہراور حضرت سیدی مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہ الوحید کی دخترِ بلند اختر تھیں۔اپنے بھائی حضرت سیفُ اللہ المسلول مولانا شاہ معین الحق فضلِ رسول قدس سرہٗ کے سپرد آپ کو کردیا۔ماموں کی آغوشِ محبت میں بڑے ناز ونعم سے پرورش پائی۔

......خزانۂ قدرت سے آپ کو وہ ذہن ودماغ عطا ہوا تھا جس کی مثال آج کل ناپید ہے۔ ذرا سی عمر میں تمام علوم معقول ومنقول نہایت تحقیق وتدقیق کے ساتھ حاصل فرمائے۔آپ کی ذہانت وذکاوتِ خداداد پر ہم سبق طلبہ رشک کرتے تھے۔پندرہویں سالگرہ نہ ہونے پائی تھی کہ اجازتِ درس حاصل ہوگئی۔تقریر وتحریر میں وہ زور تھا کہ مخاطب شانِ استدلال اور ہیبتِ کلام سے ساکت ہوجاتا۔جب تکمیل سے فراغ کامل ہوا دولتِ بیعت اپنے مقدس نانا حضرت سیدی شاہ معین الحق قدس سرہ المجید سے پائی۔

اس کے بعد سلسلۂ ملازمت میں داخل ہو کر اس عہدۂ جلیلہ پر مامور ہوئے کہ تمام سیاہ وسپید آپ کے ہاتھ میں تھا۔اس وقت آگرہ صوبہ کا صدر مقام تھا۔آپ لفٹننٹ کے سررشتہ دار تھے۔ ثروت وامارتِ خاندانی کے سوا عہدہ کی وجاہت،اس پر طُرہ یہ کہ سرولیم میور لفٹننٹ گورنر بہادر صوبۂ آگرہ واودھ آپ کے شاگردِ خاص اور احترام کنندہ۔

ہزاروں اہلِ حاجت کی دست گیری فرمائی۔وطن کے اہلِ غرض مطلب برآری کے لئے روزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ہر وقت مطبخ گرم رہتا۔فقرا ومساکین ہمیشہ دامنِ دولت سے وابستہ رہتے۔کبھی پیسہ آپ کے ہاتھ میں نہ رہتا اور مقروض رہتے۔اہلِ بدایوں پر جو کچھ احسانات آپ کے ہیں وہ کبھی فراموش نہیں ہوسکتے۔

......سلسلۂ درس وتدریس اقامتِ آگرہ میں بھی برابر جاری رہا۔شاعری کا مذاقِ سلیم خاص طور پر جزوِطبیعت تھا۔کلام میں حسنِ فصاحت اور رنگِ بلاغت دونوں موجود ہیں۔مضمون آفرینی

کے ساتھ زبان کی صفائی سونے پر سہاگہ ہے۔رسوؔا تخلص فرماتے تھے۔عربی،فارسی،اردو ہرسہ زبانوں میں آپ کے اشعار انمول جواہر ہیں۔(ص۵۹تا۶۱۔اکمل التاریخ(۱۳۳۳ھ) حصہ اول۔مؤلفہ مولانا محمد یعقوب ضیا قادری بدایونی۔مطبع قادری،مولوی محلّہ،بدایوں۔باراول)

بدایوں میں ایک مدت تک درس وتدریس کے بعد صدر نظامت آگرہ میں پیش کار اور پھر بورڈ آف ریونیو کے سررشتہ دار ہوئے۔سرولیم میور نے آپ سے عربی زبان سیکھی تھی جو بعد میں ملٹری مجسٹریٹ اور لفٹننٹ گورنر صوبہ اَوَدھ وآگرہ ہوئے۔

مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی(متوفی ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) کی مجلسِ عُلَما آگرہ کے آپ سرگرم رکن تھے۔مولانا رحمت اللہ کیرانوی(متوفی ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء) اور پادری فنڈر کے درمیان اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر ۱۸۵۴ء میں ہونے والے مناظرۂ آگرہ میں آپ معاون مناظر تھے۔ یہ مناظرہ تین روز تک جاری رہا اور پادری فنڈر شکست کھا کر یورپ واپس چلا گیا۔

جامع مسجد آگرہ جس کے اکثر حصے پر لوگوں نے قبضہ کر رکھا تھا اسے خالی کرانے کے لئے مولانا فیض احمد بدایونی نے طویل جدوجہد کی۔مقدمہ بازی بھی ہوئی۔بالآخر آپ کو کامیابی ملی۔ مسجد کو قابضوں سے خالی کرا کے اس کی مرمت کرائی گئی اور مسجد کے انتظام کے لئے لوکل ایجنسی آگرہ کا قیام عمل میں آیا جس نے ساری ذمہ داری سنبھال لی۔

مولانا فیض احمد بدایونی کئی کتب ورسائل کے مصنف ومؤلف بھی تھے مگر ان میں سے بیشتر کے مسودات انقلاب ۱۸۵۷ء کی افراتفری میں ضائع ہوگئے۔تعلیم الجاہل مطبوعہ ۱۲۶۹ھ۔المقامۃ البغدادیۃ(منثور) وھدیۂ قادریہ(منظوم) مطبوعہ ۱۳۰۳ھ آپ کی تحریری یادگاریں ہیں۔

انقلاب ۱۸۵۷ء میں آپ نے بڑی سرگرمی اور جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا۔چنانچہ پروفیسر محمد ایوب قادری(متوفی ۱۹۸۳ء۔کراچی) لکھتے ہیں کہ:

> ''جب میرٹھ اور آگرہ کی بغاوت اور مجاہدین کے معرکوں کی خبر آگرہ پہنچی تو جانسن کالن لفٹنٹ گورنر بہادر نے سب فوج ہندوستانی کو جمع کر کے فہمائش کی۔اس کا اثر چند روز رہا۔مگر پھر آگرہ کی بھی فوج باغی ہوگئی اور مجاہدین سے مل گئی اور آزادیِ وطن میں کوشاں ہوئی۔
>
> انگریزوں نے قلعہ کو جائے پناہ قرار دیا۔ماہ جون میں یہاں بھی واقعات شروع ہوئے۔ جولائی میں تیزی آئی،مجاہد فوج کی سرپرستی ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی نے کی۔مگر جب حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا اور دہلی سے طلبی ہوئی تو کچھ مسلح سپاہ کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی دہلی روانہ ہوگئے۔(ص۲۱۔جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد!مولانا فیض احمد بدایونی۔ایجوکیشنل پریس کراچی۔۱۹۵۷ء)

انقلاب ۱۸۵۷ء میں آپ اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر دہلی پہنچے اور یہاں جاری جنگ میں کھل کر حصہ لیا۔ کچھ دن تک شہزادہ مرزا مغل فرزندِ بہادر شاہ ظفر کے پیش کار رہے۔

''مولوی فیض احمد آگرہ میں صدر بورڈ کا سر رشتہ دار تھا اور باغی ہوکر دہلی آیا تھا۔ اس کو اور مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان کو عدالت کا کام سپرد ہوا۔ (ص ۶۸۸۔ تاریخِ عروج عہدِ سلطنتِ انگلشیۂ ہند، از ذکاءاللہ دہلوی)

''مولوی فیض احمد ضلع بلند شہر اور ضلع علی گڈھ کی تحصیل زرِمال گزاری کے لئے مقرر ہوا۔ اور حسن بخش از بکی بھی ضلع علی گڈھ کی مال گزاری کے لئے مقرر رہا۔

ولی داد خاں کے نام حکم بھیجا گیا کہ وہ ان دونوں کے کام میں مدد کرے۔ راؤ گلاب سنگھ رئیس کچیر کے نام حکم تھا کہ وہ بارہ ہزار روپیہ جمع سرکاری کے حسن بخش اور فیض احمد کو ادا کرے۔ ظہور علی خاں رئیس دھرم پور، محمد داؤد خاں رئیس بھیکم پور و راجہ رمن سنگھ کے نام احکام تھے کہ وہ زرِمال گزاری فیض احمد و حسن بخش کو ادا کریں۔ (ص ۶۹۱۔ تاریخ عروج عہد سلطنتِ انگلشیۂ ہند)۔ جنرل بخت خاں روہیلہ کے ساتھ انقلاب کی ناکامی کے بعد دہلی سے واپس چلے گئے۔

اپریل ۱۸۵۸ء میں مولانا فیض احمد بدایونی نے ککرالہ (بدایوں) کے معرکے میں جنرل بخت خاں کے ساتھ دادِ شجاعت دی جہاں انگریز جنرل پینی میدان جنگ میں مارا گیا۔ یہاں کی پسپائی کے بعد آپ بریلی چلے گئے جہاں خان بہادر خاں ولد ذوالفقار خاں ولد حافظ رحمت خاں روہیلہ انگریزوں سے برسرِ پیکار تھے۔

لکھنو میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی کے ساتھ بھی آپ رہے اور انگریزوں سے جنگ کی۔

یہاں سے مولانا مدراسی کے ساتھ شاہجہاں پور گئے اور جب مولانا مدراسی نے محمدی (شاہ جہاں پور) میں اپنی حکومت قایم کی تو اس کی وزارت میں شامل ہوئے۔ شاہجہاں پور پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد آپ نیپال کی طرف نکل گئے اور پھر بعد کے حالات کا کچھ علم نہیں کہ آپ پر کیا گذری اور کہاں کس طرح آپ کا انتقال ہوا؟

پروفیسر محمد ایوب قادری (متوفی ۱۹۸۳ء۔ کراچی) لکھتے ہیں کہ:

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علمائے بدایوں نے نمایاں حصہ لیا۔ ان میں سرِ فہرست مولانا فیض احمد بدایونی کا نام ہے جو اپنے دور کے نامور عالم تھے۔ سینٹرل بورڈ آف ریونیو میں ملازم تھے۔ عربی کے بلند پایہ ادیب و شاعر تھے۔ انھوں نے آگرہ میں قیام کے دوران مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور پادری فنڈر کے مناظرہ میں حصہ لیا اور مولوی رحمت اللہ کے مددگار رہے۔ پھر جنگ

آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔ وہ دہلی بھی گئے۔ آخری معرکہ ککرالہ (بدایوں) میں ہوا۔ اس میں ڈاکٹر وزیر خاں، شہزادہ فیروز شاہ جیسے بطلِ حریت بھی موجود تھے۔ انگریزوں کا مشہور جنرل پینی مارا گیا۔ (ص ۲۶۔ انسائیکلوپیڈیا آف بدایوں، جلد۲۔ مطبوعہ کراچی)

☆☆☆☆☆☆

(۵) مولانا سید کفایت علی کافیؔ مرادآبادی

سید کفایت علی کافیؔ، نگینہ ضلع بجنور کے خانوادۂ سادات سے تھے۔ عُلمائے بدایوں و بریلی سے اکتسابِ علم کیا۔ حدیث شاہ ابوسعید مجددی رام پوری سے پڑھی اور طب کی تعلیم مؤلف تذکرۂ علمائے ہند مولوی رحمٰن علی کے والد حکیم شیر علی قادری سے حاصل کی۔

مولانا سید کفایت علی کافیؔ مرادآبادی (شہید ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء) عالم و فاضل اور بہترین طبیب و شاعر تھے۔ شاہ ابوسعید مجددی رام پوری (متوفی ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۵ء) سے مولانا کافیؔ نے درسِ حدیث لیا اور مشہور شاعر ذکی مرادآبادی (متوفی ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء) شاگردِ امام بخش ناسخ سے فنِ شاعری سیکھا۔

۱۸۴۱ء میں آپ نے حج و زیارت کی سعادت حاصل کی جس کی یادگار ''تجملِ دربارِ رحمت'' ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ مثلاً ترجمۂ شمائل ترمذی (منظوم) مجموعۂ چہل حدیث (منظوم) مع تشریح، خیابانِ فردوس، بہارِ خلد، نسیم جنت، مولود بہار، جذبۂ عشق، دیوانِ کافیؔ۔

آپ کی نعتیہ شاعری اور جذبۂ عشق رسول کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کہتے ہیں۔

مہکا ہے مری بوئے دہن سے عالم — یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافیؔ ''سلطانِ نعت گویاں'' ہیں رضاؔ — اِن شاء اللہ میں وزیر اعظم

پروفیسر محمد ایوب قادری (متوفی ۱۹۸۳ء کراچی) لکھتے ہیں:

''مولانا کفایت علی کافیؔ تخلص، مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ تحصیلِ علم بدایوں، بریلی، رام پور اور لکھنؤ میں کیا۔ مفتی ظہور اللہ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔ مرادآباد کے صدر الشریعہ بنائے گئے۔ مرادآباد پر جب انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو مئی ۱۸۵۷ء میں ان کو پھانسی دے دی گئی۔ قبر عقب جیل (مرادآباد) ہنوز موجود ہے۔

ہمیشہ نعت لکھتے رہتے تھے۔ شرح شمائل ترمذی کا نظم میں ترجمہ کیا۔ مولانا کفایت علی کافیؔ کے ہاتھ کا تحریر کردہ شمائل ترمذی کا پہلا مسودہ خاکسار (مترجم) کے پاس محفوظ ہے۔

خاکسار کے جدِّ اعلیٰ مولوی حکیم محمد سعید اللہ قادری (آنولہ، بریلی) سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ دونوں نے بریلی و رام پور میں ساتھ ساتھ علم حاصل کیا تھا۔ (ص ۲۴۴۔ تذکرۂ علمائے ہند۔ مطبوعہ کراچی)

مرادآباد میں آپ نے انقلاب ۱۸۵۷ء کے وقت انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اور اس کی نقلیں دوسرے مقامات پر بھجوائیں۔ خود آنولہ (بریلی) جا کر ایک ہفتہ قیام کیا اور فتویٰ کی تشہیر کے ساتھ لوگوں میں جذبۂ جہاد ابھارا۔ یہاں سے بریلی پہنچے اور خان بہادر خاں نبیرۂ حافظ رحمت خاں روہیلہ سے تبادلۂ خیال کیا پھر مرادآباد واپس آئے۔

نواب مجدالدین خاں عرف مجو خاں کی قیادت میں مرادآباد کے اندر حکومت قائم ہوئی تو مولانا کافیؔ اس کے صدر شریعت بنائے گئے۔ ڈسٹرکٹ گزٹ مرادآباد میں ہے کہ یہاں ضلع بھر میں مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف زبردست بغاوت کی جس کے پیچھے ان کا مذہبی جذبہ کار فرما تھا۔ نجم الغنی رام پوری لکھتے ہیں:

''مرادآباد میں رعایا کی یہ حالت تھی کہ ہر جمعہ کو مسجدوں میں جہاد کے واسطے وعظ کہا جاتا تھا جس سے باغیوں کی زیادہ تر ہمت بندھتی تھی۔ (ص ۵۸۔ جلد دوم اخبار الصنادید۔ مطبوعہ رضا لائبریری رام پور)

اس وقت ریاست رام پور کے نواب یوسف علی خاں انگریزوں کی حمایت و وفاداری میں پیش پیش تھے۔ انھوں نے مرادآباد پر حملہ کیا مگر جنرل بخت خاں جب اپنی فوج کے ساتھ مرادآباد پہنچے تو نواب کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ تاہم بعد میں نواب نے انگریزوں کی مدد سے مرادآباد پر قبضہ کر لیا اور انگریزوں نے نواب مجو خاں کو طرح طرح کی اذیت دے کر شہید کر دیا۔

مولانا کافیؔ اپنے خط کے ذریعہ جنرل بخت خاں کو مرادآباد کے حالات سے باخبر کرتے رہتے تھے۔ ۲۵؍ اپریل ۵۸ کو جب مرادآباد پر انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا تو مولانا روپوش ہو گئے۔ مگر ایک مخبر کی غداری سے ۳۰؍ اپریل کو انگریزوں نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ اس وقت انگریزوں نے ایک کمیشن قائم کیا تھا جو مقدمات کی سرسری سماعت کر کے سزا سنایا کرتا تھا۔ ۴؍ مئی ۱۸۵۸ء کو مولانا کا مقدمہ ظالم و جابر انگریز مجسٹریٹ کے روبرو پیش ہوا اور بہت جلد اس کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ (اخبار الصنادید مؤلفہ نجم الغنی رام پوری مطبوعہ رام پور)

مسٹر جان انگلسن مجسٹریٹ کمیشن مرادآباد نے فیصلہ سنایا کہ:

''چوں کہ اس مدعا علیہ ملزم نے انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی اور عوام کو قانونی حکومت کے خلاف ورغلایا اور شہر میں لوٹ مار کی۔ ملزم کا یہ فعل صریح بغاوتِ انگریزی سرکار ہوا

جس کی پاداش میں ملزم کو سزائے کامل دی جائے۔

حکم ہوا — مدعا علیہ کو پھانسی دے کر جان سے مارا جائے۔ جان انگلسن۔ ۶؍ مئی ۱۸۵۸ء۔

مقدمہ کی پوری کارروائی صرف دو دن میں پوری کر دی گئی۔ ۴؍ مئی کو پیش ہوا اور ۶؍ مئی کو حکم دے دیا گیا اور اسی وقت پھانسی دے دی گئی۔ (ص ۱۴۴۔ مرادآباد! تاریخِ جد و جہدِ آزادی۔ مؤلفہ سید محبوب حسین سبزواری مرادآبادی۔ مطبوعہ مرادآباد)

پھانسی کے وقت آپ وجد و شوق کے ساتھ نعت شریف پڑھ رہے تھے۔

وہ نعت شریف جو تختۂ دار پہ چڑھنے سے پہلے مولانا کافیؔ گنگنا رہے تھے اس کے چند اشعار یہ ہیں:

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا ۔۔۔ پر رسول اللہ کا دینِ حَسَن رہ جائے گا
ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا ۔۔۔ بلبلیں اُڑ جائیں گی، سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کم خواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو ۔۔۔ اس تنِ بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحبِ لولاک کے اوپر درود ۔۔۔ آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا

سب فنا ہو جائیں گے کافیؔ و لیکن حشر تک
نعتِ حضرت کا زبانوں میں پرسخن رہ جائے گا

(۶) مفتی عنایت احمد کاکوروی

مفتی عنایت احمد کاکوروی (متولد ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء۔ متوفی ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۳ء) دیوہ (بارہ بنکی، اودھ) میں پیدا ہوئے اور اپنی نانیہال کاکوری (لکھنؤ) میں اپنے والد منشی محمد بخش کے ساتھ مستقل رہائش پذیر ہوئے۔ دیوہ اور کاکوری میں ابتدائی تعلیم کے بعد رام پور پہنچ کر مختلف علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی میں شاہ محمد اسحٰق (متوفی ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۸ء) اور علی گڑھ میں مولانا بزرگ علی مارہروی (۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۸ء) سے درس حدیث اور دیگر علوم پڑھ کر علی گڑھ میں مدرس اور مفتی کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کے بہت سے شاگردوں میں مفتی لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء) صدر الصدور امورِ مذہبی حیدرآباد دکن زیادہ مشہور ہوئے۔

مفتی عنایت احمد کاکوروی نے سرکاری ملازمت بھی کی۔ پہلے علی گڑھ میں منصف ہوئے کچھ عرصہ پھپھوند (اٹاوہ) میں بھی منصف رہے پھر صدر امین بن کر بریلی گئے۔ وہاں آپ زیادہ دنوں تک رہے اور کئی ایک دینی و علمی کتابیں بھی لکھیں۔ یہاں آپ نے ایک اصلاحی اور تبلیغی انجمن ''جلسۂ تائیدِ دینِ متین'' قائم کر کے لٹریچر کی نشر و اشاعت کی۔ اس انجمن کو برصغیر کی پہلی

اصلاحی انجمن کہا جاتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے شروع میں آپ کو صدر الصدور آگرہ بنایا گیا۔ ابھی سفر کی تیاری جاری تھی کہ ماہ مئی میں انقلاب برپا ہوگیا اور آپ آگرہ نہ جاکر بریلی و رام پور میں انقلابیوں کے ہمنوا و معاون بلکہ سرپرست کی حیثیت سے سرگرم ہوگئے۔

مجاہدین کے لئے مالی امداد و تعاون اور انگریزوں کے خلاف جہاد پر مشتمل ایک فتویٰ بریلی سے جاری ہوا جس پر مفتی عنایت احمد کاکوروی کے دستخط تھے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

''انقلاب سے پہلے بریلی میں اس تحریک کے دو ممتاز کارکن موجود تھے۔ مولوی سرفراز علی اور دوسرے مفتی عنایت احمد کاکوروی (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ مطبوعہ کراچی)۔

سید الطاف علی بریلوی ڈائرکٹر اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کراچی لکھتے ہیں:

''بریلی میں اس تحریک کے دو ممتاز کارکن مولوی سرفراز علی اور مفتی عنایت احمد کاکوروی تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے لٹریچر کی تیاری اور تقسیم کا زبردست انتظام کیا تھا۔ مفتی صاحب بریلی میں صدر امین تھے۔ ان کے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے خاندان سے بھی روابط تھے۔ چنانچہ نئی انقلابی حکومت کی ہر طرح امداد و اعانت کرنے کا فتویٰ مفتی صاحب نے ہی دیا تھا۔ (ص ۴۰۔ نواب خاں بہادر خاں شہید۔ مؤلفہ سید الطاف علی بریلوی۔ مطبوعہ اکیڈمی آف ایجوکیشنل، کراچی، ۱۹۶۶ء)۔

میاں عبدالرشید کالم نگار روزنامہ نوائے وقت لاہور لکھتے ہیں:

''آپ (مفتی عنایت احمد) بریلی میں نواب خان بہادر خاں روہیلہ کی قیادت میں جہادِ حریت کی تنظیم کے لئے سرگرم عمل رہے۔ ان دنوں روہیل کھنڈ بریلی مجاہدین آزادی کا اہم مرکز تھا۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے دادا مولانا رضا علی خاں بریلوی اس تحریک کے قائدین میں سے تھے۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی نے مجاہدین کی تنظیم پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ نواب خان بہادر خاں روہیلہ کے دست و بازو کی حیثیت سے مختلف معرکوں میں عملی حصہ بھی لیا۔ (جنگ آزادی نمبر۔ ماہنامہ ترجمانِ اہل سنت کراچی۔ شمارہ جولائی ۱۹۷۵ء)

''مفتی عنایت احمد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شریک تھے۔ پہلی مرتبہ جہاد کے وجوب کا فتویٰ جن لوگوں نے دیا ان میں مفتی عنایت احمد کاکوروی بھی شامل ہیں اور جہاد کے اس تاریخی فتویٰ پر ان کے دست خط بھی ہیں۔

انہوں نے فتویٰ بھی دیا، رائے عامہ کو بھی ہموار کیا اور عملاً جہاد میں حصہ بھی لیا۔ چنانچہ جب انگریزوں کو کامیابی ہوئی اور مجاہدین کو شکست ہوئی تو بہت سے لوگوں کو سزائے موت دی گئی۔ کچھ لوگوں کو کالا پانی یعنی جزیرۂ انڈمان بھیج دیا گیا۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی بھی ان لوگوں میں شامل

تھے جن کو جزیرۂ انڈمان بھیج دیا گیا تھا۔

''مفتی عنایت احمد کاکوروی بڑے عالم فاضل انسان تھے لیکن جزائرِ انڈمان میں قیدِ بامشقت کے دوران جو کام ان کے سپرد کیا گیا وہ یہ تھا کہ جزیرہ میں جتنی گندگی لوگوں کے گھروں میں جمع ہو اس کو اٹھا کر آبادی سے باہر پھینکا کریں۔ اس زمانے میں غسل خانوں وغیرہ کا یہ نظام نہیں تھا۔ مفتی صاحب لوگوں کے گھروں میں جاکر گندگی صاف کرتے اور اس کو ایک بڑے ٹوکرے میں ڈال کر کندھے پر اٹھاتے اور آبادی سے باہر پھینک آتے۔

ظاہر ہے اس زمانے میں ان کے پاس نہ وقت ہوتا تھا نہ مطالعہ کے مواقع اور نہ ہی مصادر اور مآخذ کی کتابیں۔ اس کے باوجود اس دورِ اسیری میں انہوں نے تین کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک کتاب سیرت پر ہے۔ یہ کتاب ''تواریخ حبیبِ الہٰ'' کے نام سے معروف ہے۔ یہ ساری کتاب انہوں نے جزائرِ انڈمان میں بیٹھ کر محض یادداشت کی بنیاد پر لکھی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ جب تک ان معلومات کو دوبارہ چیک نہ کیا جائے اس کتاب کو شائع کرنا ٹھیک نہیں۔ اس لئے مسودہ اپنے پاس رکھ چھوڑا۔

اتفاق کی بات کہ ان کی ملاقات کسی شریف انگریز سے ہوگئی۔ یہ انگریز ان کے علم و فضل سے بہت متأثر ہوا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ مولانا سابق قاضی اور جج رہے ہیں اور یہاں عمر قید کی سزا بھگت رہے ہیں تو اس نے سفارش کرکے مفتی صاحب کو رہائی دلائی۔

مفتی صاحب تینوں مسودے لے کر ہندوستان واپس آئے۔ یہاں انہوں نے ''تواریخ حبیب الہٰ'' کے مندرجات کو مصادر و مآخذ سے چیک کیا اور کہیں ایک حوالہ بھی غلط نہیں پایا تو اسے شائع کردیا۔ (ص ۶۲۱۔ محاضراتِ سیرت از ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ مطبوعہ اریب پبلیکیشنز، پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج، نئی دہلی۔ ۲۰۱۰ء)

فتویٰ اور جنگ آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں انگریزوں نے آپ کو گرفتار کرکے مقدمہ چلایا اور کالا پانی کی سزا دی۔ جہاں چار سال قید و بند کی آپ نے مشقت جھیلی۔ ایک انگریز کی فرمائش پر ''تقویم البلدان'' کے ترجمہ کی خدمت انجام دینے کے صلے میں آپ کو رہائی ملی اور ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں ہندوستان واپس آکر کانپور میں ایک مدرسہ (فیض عام) کی بنیاد ڈالی اور دینی و علمی خدمات میں مصروف ہوگئے۔

کالا پانی میں آپ نے سیرت النبی پر ایک مختصر کتاب ''تواریخ حبیب الہٰ'' اور فن صرف کی کتاب ''علم الصیغہ'' تحریر کی جو آج بھی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی آپ کی لکھی ہوئی لگ بھگ دو درجن کتابیں ہیں۔

اپنے مدرسہ فیض عام کان پور کی کچھ خدمت کر کے آپ حج و زیارتِ حرمین شریفین کی نیت سے حجازِ مقدس کے سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں مشیتِ الٰہی سے بحری جہاز غرق ہو گیا اور ۱۷رشوال ۱۲۷۹ھ/ ۱۷ اپریل ۱۸۶۳ء میں آپ شہید اور غریقِ بحرِ رحمت ہو گئے۔

(۷) مولانا رحمت اللہ کیرانوی

پایۂ حرمین مولانا رحمت اللہ عثمانی کیرانوی (متولد ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء۔ متوفی ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۱ء) کبیر الاولیا مخدوم جلال الدین پانی پتی (متوفی ۷۶۵ھ) کی اولاد میں سے ایک بلند پایہ عالمِ دین ہیں۔ کیرانہ، مظفر نگر (موجودہ مغربی یو پی) میں ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ حیات دہلی میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ پھر لکھنؤ جا کر مفتی سعد اللہ مرادآبادی (متوفی ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء۔ شاگرد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی و مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی) سے چند اعلیٰ کتابوں کا درس لیا۔ شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی (متوفی ۱۲۹۶ھ/ دسمبر ۱۸۷۸ء) سے حدیثِ نبوی کی کئی کتابیں پڑھیں۔ مولانا امام بخش صہبائی دہلوی سے بھی کچھ تحصیلِ علم کی۔

شروع میں کئی سال تک کیرانہ (مظفر نگر) کی مسجد میں طلبہ کو پڑھایا۔ مشنری اسکولوں اور پادریوں کی سرگرمیاں جب زیادہ بڑھنے لگیں اور انھوں نے اسلام پر اعتراضات کیے تو شاہ عبدالغنی مجددی کے حکم پر ''اِزالۃ الاوھام'' کے نام سے آپ نے ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں عیسائیوں بالخصوص پادری فنڈر کی لکھی ہوئی کتاب ''میزانُ الحق'' کے سارے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب دیا۔

۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء میں مولانا کیرانوی اور پادری فنڈر کے درمیان آگرہ میں ایک تاریخی مناظرہ ہوا جس میں پادری فنڈر کو آپ نے لاجواب کر دیا۔ اس مناظرہ کی تفصیلات اسی وقت کتابوں میں شایع ہو گئیں۔ اس مناظرہ میں مولانا فیض احمد بدایونی اور مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی آپ کے خصوصی معاون تھے۔

''پادری فنڈر ایک بہت بڑا پادری تھا جو مسلمان عُلَما سے مناظرہ کے لئے آیا تھا۔ مسلمان عُلَما سے مناظرہ کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ عُلَمائے اسلام کو شکست دے کر عیسائیت کے لئے تبلیغ کی راہ ہموار کر دے گا۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی ہندوستان کے مشہور عالم و مناظر اور بزرگ تھے۔ انہوں نے مغربی مذاہب یعنی عیسائیت اور یہودی مذہب کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ ان کے

ساتھ فنڈر کا مناظرہ ہوا۔ مناظرہ میں پادری فنڈر کو شکست ہوئی اور وہ یہاں سے فرار ہو گیا۔

اس کے فرار کے بعد مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے کئی کتابیں لکھیں۔ فارسی میں کئی کتابیں لکھیں۔ ایک کتاب عربی میں لکھی۔ عربی کتاب کا نام اِظہارُ الحق ہے اور وہ مسیحیت کی تنقید پر مسلمانوں کی لکھی جانے والی چند بہترین کتابوں میں سے ایک ہے۔

بعد میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ۱۸۵۷ء کے جہاد میں حصہ لیا۔ جہاد میں ناکامی کے بعد وہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں جب لوگوں کو پتہ چلا کہ انہوں نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے تو ان کی شہرت ہوئی اور دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں ان کا نام معروف ہو گیا۔

ترکی کے عثمانی خلیفہ نے انہیں استنبول آنے کی دعوت دی۔ اتفاق سے انہیں دنوں پادری فنڈر بھی استنبول میں تھا اور وہاں وہ کہتا پھر رہا تھا کہ میں نے ہندوستان کے عُلَما کو شکست دے دی ہے۔ جب اس کو پتہ چلا کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی بھی یہاں آ رہے ہیں تو وہ راتوں رات وہاں سے فرار ہو گیا اور پھر استنبول واپس نہیں آیا۔

عثمانی خلیفہ نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی یہ کتاب اِظہارُ الحق اپنے خرچ پر شائع کرائی۔ عرب دنیا میں اور عرب دنیا سے باہر درجنوں مرتبہ چھپ چکی ہے۔ مشہور و معروف کتاب ہے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی...... کے معاونین میں ایک صاحبِ علم اور انگریزی داں شخص ڈاکٹر وزیر خاں تھے جو سرسید کی پیدائش سے بھی شاید پہلے انگلستان گئے تھے۔ وہاں سے انگریزی پڑھ کر آئے تھے۔ سرسید کا لڑکپن تھا جب سے ڈاکٹر وزیر خاں نے انگریزی زبان، مغربی علوم اور بائبل کا مطالعہ شروع کر رکھا تھا اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو انگریزی زبان میں مسیحیت کا لٹریچر اور حوالے دینا ان کا کام تھا۔ (ص ۶۳۸ و ۶۳۹۔ محاضراتِ سیرت، از ڈاکٹر محمود احمد غازی، مطبوعہ اریب پبلی کیشنز۔ پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۲۰۱۰ء)

انقلاب ۱۸۵۷ء شروع ہوا تو آپ نے انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی کی۔ مولانا امداد صابری دہلوی لکھتے ہیں:

''اس زمانہ میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ کی آواز پر لوگوں کو جمع کیا جاتا تھا اور اعلان ہوتا تھا کہ —— ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا۔ (ص ۲۴۶۔ آثار رحمت، مؤلفہ امداد صابری دہلوی۔ مطبوعہ دہلی)

''مولوی رحمت اللہ صاحب کا دہلی کے علمی طبقے اور لال قلعہ کے شہزادوں پر اثر اور ان سے تعلقات تھے اس لئے اس وقت بہادر شاہ ظفر اور دوسرے مجاہدین کے ساتھ مولانا رحمت اللہ

صاحب نے بھی جنگ آزادی کا نقشہ بنانے میں حصہ لیا اور جنگ میں شرکت فرمائی۔ ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبرآبادی اور مولانا فیض احمد بدایونی کے ساتھ دہلی کی جنگ آزادی میں شریک ہوئے۔ (ص ۳۱۹۔ آثار رحمت، مؤلفہ امداد صابری، مطبوعہ دہلی)۔

منشی ذکاء اللہ دہلوی (متوفی نومبر ۱۹۱۰ء) نے لکھا:

''سب سے اول مولوی رحمت اللہ کیرانہ سے اس ٹوہ میں آئے کہ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے؟ وہ بڑے عالم فاضل تھے۔ وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی مسجد میں اُترے۔

(ص ۶۷۵ حصہ سوم۔ تاریخ عروج عہد سلطنتِ انگلشیۂ ہند، مطبوعہ شمس المطابع دہلی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۳ء)

روزنامچہ عبداللطیف میں ہے: دوسوا اہل نجیب آباد مولوی رحمت اللہ کیرانوی کی قیادت میں دہلی آئے اور آمادۂ پیکار ہوئے۔ پھر واپس چلے گئے۔ (ص ۸۷۔ روزنامچہ عبداللطیف، مطبوعہ دہلی)

بعد میں انگریزوں نے آپ کے خلاف مقدمہ چلایا اور اعلان کیا کہ مولانا کیرانوی کو گرفتار کر کے انھیں انگریزوں کے حوالہ کرنے والے شخص کو ایک ہزار روپے کا انعام دیا جائے گا۔ مگر مولانا کیرانوی گرفتار نہ کیے جا سکے اور کسی طرح بچتے بچاتے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ کیرانہ (مظفر نگر، موجودہ یوپی) میں آپ کی جائداد و ملکیت ضبط کر کے نیلام کر دی گئی۔ اسی طرح پانی پت (پنجاب، موجودہ ھریانہ) کی آپ کی موروثی جائداد بھی نیلام کر دی گئی۔

مولانا کیرانوی اپنی روپوشی کے دوران راجپوتانہ ہوتے ہوئے سورت (گجرات) پہنچے۔ وہاں مولانا خیرالدین محدث سورتی (متوفی رجب ۱۲۰۶ھ) کی خانقاہ میں قیام پذیر ہوئے۔ یہیں مولانا وصی احمد محدث سورتی (متوفی ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء) کے والد مولانا محمد طیب راندیری ثم سورتی (متوفی ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۶۰ء) سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ انگریزوں کے خلاف راندیر (گجرات) میں آپ تقریر کیا کرتے تھے اور ان سے جنگ کرتے ہوئے مولانا محمد طیب سورتی کے دو بیٹے اور متعدد ساتھی شہید ہو چکے تھے۔ سورت ہی سے مولانا کیرانوی اور مولانا محمد طیب سورتی حرمین طیبین کے لئے روانہ ہوئے۔

مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی (متوفی ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء) بن مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی (متولد ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۳ء۔ متوفی ۱۳۵۲ھ/ دسمبر ۱۹۳۳ء) بن مولانا وصی احمد محدث سورتی (متوفی ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء) لکھتے ہیں:

''مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے مولانا خیرالدین محدث سورتی کے خاندان سے بڑے دیرینہ مراسم تھے۔ اور آپ متعدد بار سفر حج کے دوران سورت میں مولانا خیرالدین محدث سورتی

کی خانقاہ میں قیام فرما چکے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں گرفتاری سے بچنے کے لئے جب مولانا کیرانوی سورت پہنچے تو یہاں محدث سورتی کی خانقاہ میں مولانا محمد طیب اپنے اہل خانہ کے ساتھ مقیم تھے اور حجاز مقدس روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی زبانی حالات کا علم ہوا تو مزید دل برداشتہ ہوئے۔ اور مولانا کی ہمراہی میں نہایت خاموشی کے ساتھ ایک بادبانی کشتی پر سوار ہو کر حجاز مقدس کی جانب ہجرت کر گئے۔ صفر المظفر ۱۲۷۴ھ کے آخر میں جدہ پہنچے۔ یہاں سے مولانا محمد طیب سورتی مدینہ منورہ اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی مکہ معظّمہ پہنچے گئے۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر آپ نے ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں مدرسہ صولتیہ قائم کیا اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ حاجی امداداللہ مہاجر مکی اور شیخ زینی دحلان شافعی مکی نے وہاں آپ کو کافی سہارا دیا۔ سلطان ترکی کی دعوت پر کئی بار آپ نے قسطنطنیہ کا سفر کیا۔ انھیں کی خواہش پر آپ نے ردِ نصرانیت میں اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''اِظہارالحق'' مکہ مکرمہ میں لکھ کر پادریوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۱ء میں مکہ مکرمہ میں آپ کا انتقال ہوا اور جنت المعلیٰ میں آپ کی تدفین ہوئی۔

(۸) مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی

مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی (متوفی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۳ء) بہار کے رہنے والے تھے۔ والد محمد نذیر خاں نے ابتدائی تعلیم کے بعد مرشد آباد (بنگال) میں انگریزی تعلیم دلائی اور پھر انگلینڈ بھیج دیا جہاں محنت سے آپ نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی۔ ساتھ ہی یونانی وعبرانی زبانیں سیکھیں اور انجیل و توریت وغیرہ کا بھی گہرا مطالعہ کیا۔

ہندوستان واپسی کے بعد کلکتہ کے ایک اسپتال میں حکومت کی طرف سے اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوئے۔ اس کے بعد آگرہ آئے۔ یہاں اپنے کام کے ساتھ مفتی انعام اللہ گوپاموی وکیل صدر سے ربط وضبط ہوا۔ اور جب مولانا احمد اللہ مدراسی نے مجلس عُلما آگرہ بنا کر اپنی سرگرمی شروع کی تو آپ ان کے دست و بازو بن گئے۔

مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی (۱۸۹۲ء۔ ستمبر ۱۹۶۸ء) لکھتے ہیں کہ: ڈاکٹر وزیر خاں کو انگریز دشمنی اور حُریت نوازی کا چسکا، شاہ (احمد اللہ مدراسی) صاحب کے فیض صحبت سے پڑا۔ (ص ۸۱۔ غدر کے چند علما، مطبوعہ دہلی)

۱۸۵۴ء میں پادری فنڈر نے عُلمائے آگرہ کو چیلنج مناظرہ دیا تو مجلسِ عُلما میں مشورہ ہوا

اور ڈاکٹر وزیر خاں نے اسے منظور کر کے اپنے دوست مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو بلا بھیجا۔ اور تین روز کے گرما گرم مناظرہ کے بعد پادری فنڈر نے راہ فرار اختیار کی۔ اس مناظرہ میں اہلِ اسلام کی طرف سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی مناظر مقرر ہوئے تھے اور مولانا ڈاکٹر وزیر خاں و مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی ان کے معاون تھے۔

سید سلیمان ندوی (متوفی ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اور خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کا وجود تو ردِ عیسائیت میں تائیدِ غیبی سے کم نہیں۔
>
> اور کون باور کر سکتا تھا کہ اس وقت پادری فنڈر کے مقابلے کے لئے ڈاکٹر وزیر خاں جیسا آدمی پیدا ہوگا۔ جو عیسائیوں کے تمام اسرار کا واقف اور ان کی مذہبی تصانیف کا ماہر کامل اور یونانی و عبرانی کا ایسا واقف ہوگا جو عیسائیوں کو خود ان ہی کی تصنیفات سے ملزم ٹھہرائے گا۔
>
> اور مولانا رحمت اللہ صاحب کے ساتھ مل کر اسلام کی حفاظت کا ناقابل شکست قلعہ دم کے دم میں کھڑا کر دے گا۔ (ص ۱۵۔ دیباچہ حیاتِ شبلی از سید سلیمان ندوی۔ مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ)

انقلاب ۱۸۵۷ء میں آپ کی سرگرم شرکت کے بارے میں مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی (۱۸۹۲ء۔ ستمبر ۱۹۶۸ء) لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر وزیر خاں مردانہ وار نکل آئے۔ آگرہ میں جو فوج فدائیوں کی آئی اس کی سرپرستی ڈاکٹر صاحب نے کی۔ انگریز قلعہ بند ہوگئے۔ یہ مولوی فیض احمد بدایونی کو لے کر دہلی پہنچے۔ بہادر شاہ کا دربار جما ہوا تھا۔ بریلی سے جنرل بخت خاں آچکے تھے۔ ''وار کونسل'' بنی ہوئی تھی۔.................. ڈاکٹر صاحب بھی اس میں داخل کر لیے گئے۔ جنرل بخت خاں لارڈ گورنر تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے ہمراہ لیا۔ مولوی فیض احمد مرزا مغل کے پیش کار مقرر ہوئے۔ (ص ۸۷۔ غدر کے چند علما، مطبوعہ دہلی)

بہادر شاہ ظفر نے مولانا ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی کو اَوَدھ کا عامل و حاکم بنایا تھا۔ چنانچہ منشی ذکاء اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

''اَوَدھ کا صوبہ ڈاکٹر وزیر خاں کو مقرر کیا تھا جو آگرہ کا سب اسسٹنٹ سرجن تھا اور باغی ہو کر دہلی آیا تھا اور بخت خاں کا بڑا دوست تھا مگر وہ گیا نہیں۔'' (ص ۶۸۹۔ تاریخِ عروجِ عہدِ انگلشیۂ ہند، مطبوعہ شمس المطابع دہلی)

دہلی میں پسپائی کے بعد جنرل بخت روہیلہ، ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی اور مولانا فیض احمد

بدایونی وغیرہ اپنی فوج کے ساتھ لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف مورچہ بندی کی۔ پھر سب کو لکھنؤ چھوڑ کر شاہجہاں پور جانا پڑا۔ وہاں بھی جب ناکامی ہوئی تو منتشر ہو کر اکثر حضرات نیپال چلے گئے۔ مولانا ڈاکٹر وزیر خاں چھپتے چھپاتے مکہ مکرمہ پہنچے اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے پاس مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہو گئے۔

مکہ مکرمہ میں مطب کھول کر ڈاکٹر صاحب نے مریضوں کا علاج کرنا شروع کیا۔ ایک عرب شیخ عبداللہ یمنی کی بیوی کا آپ نے علاج کیا۔ اس نے آپ کو پیسے دینے چاہے تو آپ نے لینے سے انکار کیا جس کے بعد وہ آپ کا عقیدت مند ہو گیا۔

انگریزی حکومت نے سلطان ترکی کو خط لکھا کہ ہمارا ایک مفرور ملزم مکہ میں ہے اس کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ سلطان ترکی نے گورنر مکہ شریف عبداللہ کو لکھا۔ گورنر مکہ کے مشورے سے آپ نے عبداللہ یمنی کو صورت حال بتائی اس نے گورنر مکہ سے کہا کہ میرے قبیلہ کے دس ہزار افراد ہیں جب وہ کٹ مر جائیں گے تبھی ڈاکٹر صاحب کو کسی کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ گورنر مکہ نے یہ بات سلطانِ ترکی کو لکھ کر مطلع کیا۔ اس نے حکومتِ ہند کو لکھ دیا کہ ایسے حالات میں اس ملزم کی حوالگی ناممکن ہے۔ حکومتِ ہند کو مجبوراً خاموش ہونا پڑا۔

ڈاکٹر صاحب مکہ مکرمہ میں چودہ سال تک بقید حیات رہے۔ وہیں ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۳ء میں آپ کا انتقال ہوا اور جنت المعلیٰ میں تدفین ہوئی۔

(۹) مولانا وہاج الدین مراد آبادی

مولانا وہاج الدین عرف مولوی منو مراد آبادی (شہادت ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) شہر کے بڑے عالم اور رئیس تھے۔ قومی جذبہ سے سرشار تھے۔ عوام و خواص آپ کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ عربی و فارسی و اردو کے علاوہ انگریزی زبان پر بھی آپ کو قدرت تھی۔

انقلاب ۱۸۵۷ء میں آپ نے مراد آباد میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مراد آباد جیل خانہ پر آپ نے ایک ہجوم کے ساتھ حملہ کیا اور سارے قیدیوں کو آزاد کرا لیا۔ مسٹر جان کرافٹ ولسن یہ خبر سنتے ہی روپوش ہو گیا تھا۔

''مراد آباد میں مجاہدین کی پہلی ناکامی کے بعد مولانا وہاج الدین عرف مولوی منو نے عوام کو دوبارہ منظم کیا اور معمولی ہتھیاروں کے ساتھ اپنی قیادت میں مجاہدین کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ جیل کی طرف بڑھے۔ (محاربۂ عظیم۔ مؤلفہ منشی کنھیا لال۔ مطبوعہ لکھنؤ)

مولانا وہاج الدین نے رام پور کا دورہ کر کے وہاں بھی جہاد اور حریت کی روح پھونکنے کا سرفروشانہ اقدام کیا کیوں کہ نواب رام پور انگریزوں کے وفادار تھے۔ قصبوں اور دیہاتوں میں گھوم کر آپ نے آزادی کا پیغام پہنچایا۔

شہزادہ فیروز شاہ جب مراد آباد پہنچا تو مولانا وہاج الدین اس کے دستِ راست بن گئے۔ مولانا سید کفایت علی کافیؔ اور مولانا وہاج الدین نے مل جل کر مراد آباد میں انقلاب برپا کر دیا۔ شہزادہ فیروز شاہ کی سرپرستی میں ان حضرات نے نواب کی فوج اور انگریزوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

انقلاب کی ناکامی کے بعد ایک مخبر کی غداری سے مولانا وہاج الدین کے گھر پر انگریزوں نے ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء میں ایک روز دھاوا بول دیا اور گھر کے اندر ہی گولی مار کر آپ کو شہید کر دیا۔

(۱۰) مولانا امام بخش صہبائیؔ دہلوی

مولانا امام بخش صہبائیؔ دہلوی (شہادت ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء) مولانا عبداللہ خاں علوی کے شاگرد اور اردو زبان کے مشہور شاعر ہونے کے ساتھ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ سرسید احمد خاں (متوفی مارچ ۱۸۹۸ء) نے اپنی مشہور کتاب ''آثارالصنادید'' میں آپ کی بڑی تعریف کرتے ہوئے آپ کو علم و فضل کا جامع اور کئی فنون کا ماہر لکھا ہے۔

۱۸۴۰ء میں لفٹنٹ گورنر دہلی نے مفتی صدرالدین آزردہؔ کی نشان دہی پر آپ کو دہلی کالج میں فارسی زبان کا استاذ مقرر کیا۔ مرزا غالبؔ اور صہبائیؔ میں گہری دوستی تھی۔ مفتی آزردہ اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے گھر تقریباً روزانہ ہی صہبائیؔ جایا کرتے تھے جہاں علم و فضل اور شعر و ادب کے محفلیں ہر وقت آراستہ رہا کرتی تھیں۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''مولوی امام بخش صہبائیؔ صدر مدرس فارسی اپنے وقت کے بہت بڑے فارسی ادیب تھے۔ مصنف اور شاعر بھی تھے۔ ان کی کتابیں نصابِ تعلیم میں داخل تھیں۔ ان کی تصانیف اب تک پڑھائی جاتی ہیں۔ شہر میں ان کی بڑی عزت تھی۔ علاوہ فارسی کی مشہور تالیفات کے اردو صرف و نحو پر بھی ایک اچھی کتاب لکھی جس کے آخر میں بہ ترتیب حروفِ تہجی اردو کے محاورات اور کہیں کہیں ضرب الامثال بھی درج ہیں۔ حدائق البلاغہ (تصنیف شمس الدین) کا ترجمہ اردو میں کیا۔ شعرائے اردو کا انتخاب بھی کیا تھا جو اسی زمانے میں طبع ہو کر شائع ہوا۔ ان کے تقرر کا عجیب واقعہ ہے۔ ۱۸۴۰ء میں جب آنریبل مسٹر ٹامسن لفٹنٹ گورنر مدرسہ کے معاینہ کے لئے آئے تو انھوں نے یہ تجویز کی کہ ایک مستعد فارسی مدرس کا تقرر ہونا چاہیے۔

مفتی صدرالدین خاں صدرالصدور نے عرض کی کہ ہمارے شہر میں فارسی کے صرف تین شخص ہیں۔ ایک مرزا نوشہ، دوسرے حکیم مومن خاں، تیسرے امام بخش صہبائی۔ لفٹنٹ گورنر نے تینوں کو بلوایا۔ مرزا نوشہ (غالبؔ) بھلا یہ روگ کیوں پالنے لگے۔ انھوں نے تو انکار کر دیا۔ مومنؔ خاں نے یہ شرط کی کہ سو روپے ماہانہ سے کم کی خدمت قبول نہ کروں گا۔ مولوی امام بخش کا کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا۔ انھوں نے یہ خدمت چالیس روپے ماہانہ کی قبول کی۔ بعد میں پچاس روپے ہو گئے۔ (ص ۱۶۲ و ۱۶۳۔ مرحوم دلی کالج۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو نئی دہلی ۲۔ اشاعت سوم ۱۹۸۹ء)

مولانا صہبائیؔ انگریز مخالف ذہن رکھنے کے ساتھ انقلابیوں اور مجاہدوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے اور قلعۂ معلیٰ کی مجلسوں اور بعض مشوروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔

۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے آپ کے محلّہ کوچہ چیلان دہلی سے ایک بار چودہ سو آدمیوں کو گرفتار کر کے راج گھاٹ (نئی دہلی) جمنا کنارے گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ انھیں میں مولانا صہبائیؔ بھی تھے۔ آپ کے گھر کے اکیس افراد قتل کیے گئے۔

راشدالخیری دہلوی امام بخش صہبائی کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مولوی قادر علی صاحب جو مولانا امام بخش صہبائی کے حقیقی بھانجے تھے اور انھیں کے ساتھ انھیں کے گھر میں رہتے تھے۔ ایک موقعہ پر بیان فرماتے ہیں کہ:

میں صبح کی نماز اپنے ماموں مولانا صہبائی کے ساتھ کٹرہ مہر پرور کی مسجد میں پڑھ رہا تھا کہ گورے دَن دَن کرتے آ پہنچے۔ پہلی ہی رکعت تھی کہ امام کے صافے سے ہماری مشکیں کس لی گئیں۔ شہر کی حالت نہایت خطرناک تھی اور دِلی حشر کا میدان بنی ہوئی تھی۔

ہماری بابت مخبروں نے بغاوت کی اطلاع سرکار میں دے دی تھیں۔ اس لئے ہم سب گرفتار ہو کر دریا کے کنارے پر لائے گئے۔ ابھی غدر کو ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا۔ اور پھانسیوں کی بجائے باغی گولیوں کا نشانہ بنتے تھے۔

مسلح سپاہیوں نے اپنی بندوقیں تیار کیں۔ ہم تیس چالیس آدمی ان کے سامنے کھڑے تھے۔ کہ ایک مسلمان افسر نے ہم سے آ کر کہا کہ:

''موت تمہارے سر پر ہے۔ گولیاں تمہارے سامنے ہیں۔ اور دریا تمہاری پشت پر ہے۔ تم میں سے جو لوگ تیرنا جانتے ہیں وہ دریا میں کود پڑیں۔''

میں بہت اچھا تیراک تھا مگر ماموں صاحب یعنی مولانا صہبائیؔ اور ان کے صاحبزادے مولانا سوزؔ تیرنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے دل نے گوارہ نہیں کیا کہ ان کو چھوڑ کر اپنی جان بچاؤں۔ لیکن ماموں صاحب یعنی مولانا صہبائیؔ نے مجھے اشارہ کیا اس لئے دریا میں کود پڑا۔ میں تیرتا ہوا آگے

بڑھ آیا۔ اور پیچھے مڑ کر دیکھتا جا رہا تھا۔ پچاس ساٹھ گز گیا ہوں گا کہ گولیوں کی آوازیں میرے کان میں آئیں۔ اور صف بستہ لوگ گر کر مر گئے۔ تحریر شدہ ۱۹۲۴ء۔ (ص ۹۳ و ۹۴۔ بعنوان کارزارِ حیات۔ دلی کی آخری بہار۔ مؤلفہ راشد الخیری اردو اکاڈمی۔ دہلی۔ ۲۰۰۳ء)

یہ المناک خبر مفتی صدرالدین آزردہؔ نے سنی تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا:

کیوں کر آزردہؔ نکل جائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائیؔ ہو

مفتی مظہر کریم دریابادی

مفتی مظہر کریم دریابادی (متوفی اکتوبر ۱۸۷۳ء) معروف اردو ادیب و صحافی مولانا عبدالماجد دریابادی کے دادا تھے۔ شاہجہاں پور میں سر رشتہ دار فوجداری تھے جہاں انقلاب ۱۸۵۷ء میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ عیدگاہ شاہجہاں پور میں ایک بھاری اجتماع کے درمیان آپ نے انگریزی اقتدار کے خاتمہ کی دعا کرائی۔

مفتی مظہر کریم دریابادی کے پوتے ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی (سر سید نگر، علی گڑھ۔ یوپی) نے آپ کا ایک مختصر تعارف انقلاب ۱۸۵۷ء نمبر، ماہنامہ نیا دور لکھنؤ۔ شمارہ اپریل مئی ۲۰۰۷ء میں تحریر کیا ہے جسے یہاں بعینہٖ نقل کیا جا رہا ہے:

''لکھنؤ اور فیض آباد کے درمیان اور لکھنؤ سے تقریباً ۴۲ میل دور واقع ایک مردم خیز قصبہ ہے دریاباد۔ جو ۱۸۶۱ء تک یا اس کے کچھ بعد تک یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے خاتمے کے تقریباً پانچ سال بعد تک ضلع رہا۔ اس کے بعد بارہ بنکی کو ضلع کا مستقر بنایا گیا اور دریاباد کو کوئی انتظامی حیثیت حاصل نہ رہی۔

اس قصبے میں قدوائی خاندان بھی آباد ہے جس کے مورثِ اعلیٰ قاضی القضاۃ شیخ معزالدین ملقب بہ قدوۃُ الدین والعلم یا عرفِ عام میں قاضی قدوہ تھے۔ ایک زیادہ صحیح روایت کے مطابق وہ اناطولیہ سے شہاب الدین غوری کے عہد میں ہندوستان آئے اور انھیں قضا کا منصب عطا ہوا، اور سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں انھوں نے حسبِ فرمائش سلطان، لکھنؤ کا رخ کیا اور جگور، رسولی قدیم نام ''ہرسولی'' وغیرہ میں زمینداروں پر فتح پا کر اجودھیا پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ ان کا مزار بابری مسجد سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا جسے مسجد کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ انھیں جاگیریں بھی عطا ہوئیں اور ان کی اولاد مسولی، بڑا گاؤں، بھیارہ، رسولی، دریاباد میں اور کچھ جگور اور ضلع فیض

آباد میں آباد ہوئی۔ قاضی صاحب کا شوق جہاد اور غایت تشرع و تقویٰ سب روایتوں میں مشترک ہے۔ قاضی صاحب قدوائی خاندانوں کے شجرے کے مطابق نسلاً اسرائیلی تھے۔ شجرۂ نسب ہریشون بن حضرت موسیٰ سے ہوتا ہوا حضرت لاوا، انگریزی قالب میں Levi فرزند سوم حضرت یعقوب تک پہنچتا ہے۔ لکھنؤ اور جوارِ لکھنؤ کے شیوخ صدیقی، عثمانی، و انصاری جو اپنی اعلیٰ نسبی پر فخر کے خوگر تھے، نے بڑھ کر قدوائیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنی لڑکیاں ان کے عقد میں دیں۔

انھیں قاضی قدوہ کی نسل میں ان سے کوئی دس پشتوں میں ایک بزرگ اور نمایاں ہستی مخدوم شیخ محمد آب کش دریابادی متوفی ۸۸۰ھ مطابق ۱۳۲۷ء (جو اس قصبہ کے بانی تھے) کی نظر آتی ہے۔ ان کی گیارہویں پشت میں مولوی مظہر کریم پیدا ہوئے۔ فقہ اور مشیخت ان کے والد مخدوم بخش کا خاندانی ورثہ تھا۔ مولوی مظہر کریم جو چار بھائیوں میں منجھلے تھے، انھوں نے علم و فضل کی تحصیل خود کی۔ تعلقات خود ان کے اور ان کے بڑے بھائی مولوی حکیم نور کریم (جو طبیب گر کہلاتے تھے) کے فرنگی محل لکھنؤ سے بہت بڑھے ہوئے تھے اور فرنگی محل اس وقت تک تھا دارالعلم والعمل۔ محض قافیہ کی رعایت سے نہیں، واقعہ کے اعتبار سے بھی۔ معاصر علماے فرنگی محل (لکھنؤ) کے نام مولانا عبدالحکیم، مولانا عبدالحلیم، مولانا عبدالرزاق، مولانا عبدالحیٔ، مولانا نعیم کے فتاویٰ کی تائید میں دستخط ان کے ملتے ہیں۔

بدایوں، بریلی، رام پور، شاہ جہاں پور اور دہلی کے علما سے بھی تعلقات تھے۔ فتاویٰ کے سلسلے میں مولانا مفتی صدرالدین آزردہ شاہی مفتی دہلی، مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا سعداللہ رام پوری، مولانا فضل رسول بدایونی کے نام بار بار ملتے ہیں۔

انگریزی حکومت نئی نئی قائم ہوئی تھی، کہیں قائم ہو چکی تھی، کہیں قائم ہو رہی تھی۔ ان علاقوں میں جو آج ریاست اتر پردیش کہلاتا ہے، ایسٹ انڈیا کمپنی کا حکم چل رہا تھا۔ شاہ جہاں پور ضلع قرار پا چکا تھا۔ مفتی مظہر کریم ۱۸۲۹ء میں بسلسلۂ تلاشِ ملازمت انگریزی، شاہجہاں پور پہنچے اور ایک ادنیٰ عہدے سے ترقی کرتے ہوئے ۱۰۰/روپے کے مشاہرے پر سر رشتہ دار فوجداری ہو گئے۔ اس وقت کے معیار سے تنخواہ اور اختیارات دونوں کے لحاظ سے بلند اور ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ انگریز کلکٹر پر مفتی صاحب کا خاصا اثر تھا۔ جب مفتی صاحب ان سے ملنے جاتے تو خاندانی روایتوں میں سننے میں آیا ہے کہ کلکٹر اپنے مسلمان خانساماں سے چائے بنوا کر پیش کرتا تھا۔

جب مجاہدینِ آزادی نے شاہ جہاں پور پر قبضہ کر لیا اور انگریز حُکام کو قتل کر دیا تو مفتی

صاحب کے قیامِ شاہ جہاں پور کی مدت اس وقت ۲۷ سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اتنے طویل قیام سے پردیس دیس بن چکا تھا اور مسافرت میں شان وطن کی ہو چکی تھی اور عمائدینِ شہر سے مفتی صاحب کے بہت گہرے مراسم و روابط عزیزوں کے سے قائم ہو چکے تھے۔ ان کا شمار شہر کی با اثر شخصیتوں میں ہوتا تھا اور ان کا عوام اور حُکام پر بڑا اچھا اثر تھا۔

مفتی صاحب نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ گیارہ مہینے سے زیادہ شاہ جہاں پور اور اس کے گرد و نواح کے علاقے میں مجاہدینِ آزادی کی حکومت جنرل خان بہادر خاں کی سربراہی میں قائم رہی۔ ان مجاہدین میں غیور اور بہادر روہیلے اور جان ہتھیلی پر رکھنے والے راج پوت تھے۔ مفتی صاحب نے جنگِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ ان کے گھر پر مجاہدینِ آزادی کے جلسے ہوا کرتے تھے۔ ان جلسوں میں جنگی حکمتِ عملی تیار کی جاتی تھی اور دوسرے انتظامی امور کے بارے میں بھی اہم فیصلے کیے جاتے تھے اور ان معاملوں میں مفتی صاحب کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی۔

مولانا احمد اللہ مدراسی جو عرفِ عام میں ''مولانا فیض آبادی'' کہلاتے تھے، مفتی صاحب کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ جب مجاہدین کو انگریزی فوجوں نے شاہ جہاں پور میں شکست دی اور اس پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو مجاہدینِ آزادی کے دوسرے لیڈروں کی طرح مفتی صاحب کو بھی گرفتار کر لیا۔

ایک انگریز ٹی، ایف فنیتھم نے ۱۸۵۸ء میں بنارس کے ایک پریس سے شاہجہاں پور میں انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد شاہ جہاں پور میں ۱۸۵۷ء میں ہونے والے واقعات کی ایک طویل داستان انگریزی میں شائع کی اور اس میں مفتی صاحب کو بغاوت کا سرغنہ ٹھہرایا اور اسی کے ساتھ اس نے مفتی صاحب کے اثر و اقتدار کو ہر جگہ تسلیم کیا۔ انگریزی تسلط کے بعد مفتی صاحب کو گرفتار کیا گیا۔ اس نے ان پر یہ الزام لگایا کہ انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کے فتویٰ پر ان کے دستخط تھے۔ مفتی صاحب کو بغاوت کے الزام میں ۱۴ سال کی سزا بہ عبور دریائے شور دی گئی۔ یعنی انھیں انڈمان بھیج دیا گیا جہاں ان کا ساتھ مولانا فضل حق خیرآبادی اور مفتی عنایت احمد کاکوروی جیسے سالاروں کا رہا۔

اسیری کے دوران مفتی صاحب نے علمی مشغلہ جاری رکھا۔ اپریل ۱۸۵۹ء میں گورنمنٹ کی طرف سے یہ اشتہار شائع کیا گیا کہ مفید عام کتابوں کے ترجمے پر اہلِ علم کو بشرط پسند حکومت، معقول انعام نقد عطا ہوگا۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی صاحب اور مفتی مظہر کریم صاحب نے اس

اعلان سے فائدہ اٹھا کر عربی جغرافیہ کی ایک ایک کتاب اردو ترجمے کے لئے انتخاب کر لی۔

مفتی عنایت احمد صاحب نے تقویم البلدان کو لیا اور مفتی صاحب نے مراصدُ الاتباع فی اسماءِ الامکنہ و البقاع ۔مصنفہ صفی عبدالمومن کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ (یہ غیر مطبوعہ ضخیم ترجمہ قلمی نسخہ یا مخطوطہ کی صورت میں عمِ مرحوم مولانا عبدالماجد دریابادی کے کتب خانہ میں عرصہ تک رہا اور راقم السطور کو بھی اس کی ورق گردانی کا شرف حاصل ہوا) جب انعام کا وقت آیا تو بجائے نقد رقم کے رہائی کو پیش کیا گیا۔ چنانچہ بقیہ میعادِ اسیری معاف کر دی گئی اور اپنے وطن دریاباد واپس آ گئے اور خانہ نشین ہو گئے اور خاموشی کے ساتھ انہی خدمات میں لگے رہے۔

انھوں نے ۱۴/ اکتوبر ۱۸۷۳ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہا اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ ان کی بیوی کا چھ مہینے پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں کل سات اولادیں چھوڑیں۔ چھوٹے فرزند مولوی عبدالقادر ڈپٹی کلکٹر تھے اور ان کے چھوٹے بیٹے نامور عالمِ دین، مفسر قرآن اور ادیبِ جلیل مولانا عبدالماجد دریابادی تھے۔ اور بڑے بیٹے مولوی عبدالمجید ڈپٹی کلکٹر تھے اور راقم السطور کے والد ماجد تھے۔

مفتی صاحب کا خاص فن فقہ تھا۔ جزئیات کے گویا حافظ تھے۔ استفتا بکثرت آتے تھے۔ بعض دور دراز سے بھی۔ فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں قلم سے نکلے جو فتاویٰ مظہریہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ فتاویٰ غیر مطبوعہ رہے۔ عام کتبِ فتاویٰ کی طرح ان فتاویٰ میں فہرستِ مضامین بھی تھی اور ان کی ترتیب بھی بڑی جامع اور مکمل تھی۔

مفتی صاحب کے کمال کا شہرہ سُن کر شاہ آباد، بلگرام، محمدی، تلہر، جلال آباد، بدایوں اور بریلی سے استفتا آتے تھے اور یہ سب استفتا مع جواب واپس بھیجے جاتے تھے۔ سرکاری ملازمت کے ساتھ استفتا کے جوابات دیتے رہتے تھے۔ مگر اس کے باوجود انھوں نے بہت سی کتابیں جمع کر لی تھیں، جن میں فقہ کی چھوٹی بڑی کتابوں کو ملا کر بڑی کثیر تعداد کا حوالہ اپنے فتووں میں دیتے تھے۔ فقہ کی متعدد کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کیں۔ خط بڑا پختہ تھا۔ حضرت رسالت مآب ﷺ سے خاص طور سے شیفتگی تھی۔

عقائد میں ہم مسلک علمائے بدایوں کے تھے۔ ''غایۃُ المرام فی تحقیقِ المولود والقیام'' کے نام سے ایک کتاب اپنے ایک عزیز قریب کے نام سے محفل میلاد اور اس میں قیامِ تعظیمی کی حمایت اور جواز میں چھپوائی۔ مناقبِ غوثیہ یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی مدح اور توصیف میں ایک غیر مطبوعہ تصنیف چھوڑی۔ فارسی میں بھی متعدد فقہی مسائل سے متعلق ''مسائلِ مذہبیہ'' کے نام

سے ایک تصنیف تھی جو غیر مطبوعہ رہی۔

(ص ۹۶ و ۹۷۔انقلاب ۱۸۵۷ء نمبر، ماہنامہ نیا دور لکھنؤ، شمارہ اپریل/مئی ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆☆

قائدِ اِنقلاب علامہ فضلِ حق خیرآبادی

مردُم خیز خِطّۂ اَوَدھ (لکھنؤ اور اس کے قریبی اضلاع) کے خیرآباد (ضلع سیتاپور، اترپردیش) میں علامہ فضلِ امام خیرآبادی (متوفی ۱۲۴۴ھ/۲۹۔۱۸۲۸ء) کے فرزندِ ارجمند امام الحکمۃ والکلام قائدِ اِنقلاب علامہ فضل حق خیرآبادی (متولد ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء۔متوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کی ولادت ہوئی۔

قاضی عمادالدین بدایونی علامہ فضلِ امام خیرآبادی کے اَجداد میں سے ہیں جو بدایوں سے منتقل ہوکر ھرگام، اودھ (موجودہ ضلع سیتا پور کی ایک آبادی) آبَسے تھے۔والد قاضی محمد ارشد ھرگامی اپنے دور میں ھرگام سے منتقل ہوکر خیرآباد آکر آباد ہوگئے۔اس خانوادہ کا سلسلۂ نسب خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔

شیرُ الملک بن عطاء الملک فاروقی ایرانی کے ایک صاحبزادے شمس الدین مفتیِ رہتک (پنجاب۔موجودہ صوبہ ھریانہ) کی اولاد میں حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور دوسرے صاحبزادے بہاء الدین مفتیِ بدایوں (روہیل کھنڈ، موجودہ صوبہ یوپی) کی اولاد میں علامہ فضل امام خیرآبادی ہیں جو دہلی کے صدر الصدور تھے۔اپنے زمانے کے ممتاز عُلَما و فُضَلاے ہند میں آپ کا شمار تھا۔متعدد علمی و فنی کتابوں کے مصنف اور میر زاہد رسالہ و میر زاہد ملا جلال وافق المبین کے محشی ہیں۔جن کے مخطوطات مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ورضا لائبریری رام پور (یوپی) وغیرہ میں موجود و محفوظ ہیں۔آپ کے سیکڑوں شاگردوں میں علامہ فضلِ حق خیرآبادی اور مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی صدر الصدور دہلی مشہور و معروف ہیں۔

مولانا عبدالشاہد شیروانی علی گڈھی سابق اسسٹنٹ لائبریرین شعبۂ مخطوطات۔مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ (متوفی ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء) رقم طراز ہیں:

’’علمی قابلیت کا اندازہ تو اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک جانب شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کا ڈنکا منقولات میں بج رہا تھا اور دوسری طرف اسی دہلی میں مولانا فضلِ امام کے معقولات کا سکہ چل رہا تھا۔طلبہ دونوں دریاؤں سے سیراب ہورہے تھے۔مفتی

صدرالدین خاں آزردہ، علامہ فضل حق وغیرھما بھی دوسرے طلبہ کی طرح حدیث ایک جگہ پڑھتے تھے اور منطق و فلسفہ دوسری جگہ۔(ص ۱۳۸۔سوانح علامہ فضلِ حق در باغی ہندوستان، طبع چہارم المجمع الاسلامی مبارک پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔وطبعِ اول مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء مع مقدمہ مولانا ابو الکلام آزاد)

علامہ فضلِ حق خیرآبادی نے تیرہ سال کی عمر میں ۱۲۲۵ھ/۱۸۰۹ء میں تمام علوم وفنونِ نقلیہ وعقلیہ وآلیہ کی تعلیم مکمل کرلی اور چار ماہ چند روز میں قرآن حکیم حفظ کرلیا۔آپ کے علم و فضل کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے سرسید احمد خاں (متوفی ۱۸۹۸ء) لکھتے ہیں:

’’جمیع علوم وفنون میں یکتاے روزگار ہیں اور منطق وحکمت کی تو گویا انہیں کی فکرِ عالی بِنا ڈالی ہے۔علُماے عصر بَل فُضَلاے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہِ اہلِ کمال کے حضور میں بساطِ مناظرہ آراستہ کرسکیں۔بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ (اپنے) آپ کو یگانۂ فن سمجھتے تھے، جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا، دعواے کمال کو فراموش کرکے نسبتِ شاگردی کو اپنا فخر سمجھے۔‘‘

(۵۶۲۔آثار الصنادید از سرسید احمد خاں، مطبوعہ اردو اکاڈمی دہلی ۲۰۰۰ء۔وص ۱۴۸۔مقالاتِ سرسید حصہ شانزدہم، مطبوعہ مجلس ترقیِ ادب لاہور)

علامہ فضل حق خیرآبادی کی تقریباً ایک درجن وقیع وبلند پایہ کتابیں متعدد علوم وفنون میں آپ کی مہارت وکمال پر شاہدِ عدل ہیں جن میں سے اکثر غیر مطبوعہ اور مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔آپ کے شاگردوں میں مولانا عبدالحق خیرآبادی (استاذِ حکیم سید برکات احمد ٹونکی) ومولانا ھدایت اللہ رام پوری ثم جون پوری (استاذِ صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی، ومولانا سید سلیمان اشرف بہاری ثم علی گڑھی)، ومولانا عبدالقادر بدایونی فرزندِ علامہ فضلِ رسول بدایونی، ومولانا فیض الحسن سہارن پوری ومولانا ھدایت علی بریلوی ومولانا محمد عبداللہ بلگرامی ومولانا عبدالعلی رام پوری (امام احمد رضا بریلوی کے استاذِ علمِ ریاضی) ومولانا قلندر علی زبیری پانی پتی (استاذِ خواجہ الطاف حسین حالی) ونواب یوسف علی خاں رام پوری ونواب کلب علی خاں رام پوری کے نام نمایاں ہیں۔

رئیس احمد جعفری ندوی (بحوالہ ص ۳۱۲۔گلِ رعنا مؤلفہ حکیم عبدالحی رائے بریلوی) لکھتے ہیں:

اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔دہلی میں ریزیڈنٹ رہا کرتے تھا۔(مولانا فضلِ حق خیرآبادی) اس کے محکمہ کے سررشتہ دار ہوگئے۔ابوظفر ولی عہد سے دوستانہ مراسم تھے۔قلعہ میں آتے جاتے تھے۔

دِلی وہ دِلی تھی کہ ایک طرف حدیث وفقہ کا دور دورہ تھا دوسری طرف منطق وفلسفہ کی گرم بازاری۔ شعروسخن کے گلی کوچہ میں چرچے، بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر موجود۔
ان (فضلِ حق خیرآبادی) کے ہم سبق مفتی صدرالدین آزردہ۔ دوستوں میں مولوی امام بخش صہبائی، علامہ عبداللہ خاں علوی، حکیم مومن خان مومن، مرزا اسداللہ خاں غالب، نواب ضیاء الدین خاں نیر، شاہ نصیرالدین نصیر، شیخ محمد ابراہیم ذوق، حکیم آغا جان عیش، حافظ عبدالرحمٰن احسان، میر حسن تسکین جیسے باکمال لوگ تھے۔ شام کو مولانا (فضلِ حق) کے یہاں نشست رہا کرتی۔

(ص ۸۵۹۔ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، مؤلفہ رئیس احمد جعفری ندوی، طبعِ اول، کتاب منزل لاہور۔ تقدیمِ کتاب از مؤلف ماہِ دسمبر ۱۹۵۵ء)

مطبوعہ کتبِ علامہ خیرآبادی میں ھدیہ سعیدیہ وتحقیق الفتویٰ وامتناعُ النظیر والروض المجو دوحاشیۂ قاضی مبارک شرحِ سُلَّم وقصائد فتنۃ الھند (منظوم) والثورۃُ الھندیہ (منثور) حلقۂ اہلِ علم میں متعارف ومتداول ہیں۔

علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے علم وفضل، جامعیت وکمال، جودتِ ذہن، قوتِ فکر، وسعتِ مطالعہ اور دینی وملّی وقومی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع وہمہ جہت وہمہ گیر ہے جس کے مطالعہ و تحقیق وتعارف کی ضرورت ہے۔ عُلما ومحققین ومصنفین کو اس اہم خدمت کی طرف اپنی توجہ مبذول کر کے علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی فکری وقلمی کاوشوں کو منظرِ عام پر لانے اور آپ کی جامع الصفات شخصیت کے متنوع گوشوں کو اجاگر کرنے کی جلد از جلد بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی تاریخِ حیات کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ برطانوی سامراج کے خلاف آپ نے پوری جرأت واستقامت اور مومنانہ فہم وفراست کے ساتھ علمِ جہاد بلند کیا اور اس کے خلاف اپنی ولولہ انگیز خطابت اور منظّم جدوجہد کے ذریعہ ایسا پُرجوش ماحول بنایا کہ دہلی کے اندر نوے ہزار ہندوستانی سپاہ جمع ہوگئی اور اس نے غاصب وقابض وظالم انگریزوں کا عرصۂ حیات تنگ کردیا۔ جس کے تاریخی شواھد درج ذیل ہیں۔

''دلاور جنگ مولوی احمداللہ مدراسی آگرہ سے لکھنؤ آئے۔ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے خلاف عُلما میں سرگرمیِ عمل پیدا کررہے تھے۔ مولانا (فضلِ حق خیرآبادی) بھی ان کے ہم نوا ہوگئے اور سرکاری ملازمت ترک کرکے اَلور چلے گئے۔
ہنگامہ ۱۸۵۷ء رونما ہوا، دلی آئے، بہادر شاہ سے ملے۔ یہاں جنرل بخت خاں کے ٹھاٹ جمے ہوئے تھے۔ نصاریٰ کے خلاف جہاد کا فتویٰ مولانا نے دیا اور اس پر مفتی صدرالدین آزردہ، مولوی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبرآبادی وغیرہ کے دست خط

کرائے گئے۔ (ص ۵۶۔ عُلمائے حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں۔ مؤلفہ مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی)۔
''علامہ (فضلِ حق خیرآبادی) سے جنرل بخت ملنے پہنچے۔ مشورہ کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا۔ بعد نمازِ جمعہ جامع مسجد (دہلی) میں عُلما کے سامنے تقریر کی۔
استفتا پیش کیا۔ مفتی صدرالدین آزردہ صدرالصدور دہلی، مولوی عبد القادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبرآبادی، سید مبارک شاہ رام پوری نے دست خط کیے۔
اس فتویٰ کے شایع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہوگئی۔
(تاریخِ ذکاء اللہ، مطبوعہ دہلی بحوالہ ص ۲۱۵۔ باغی ہندوستان مرتبہ عبدالشاھد شیروانی علی گڑھی، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔ طبعِ اول مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء مع مقدمۂ مولانا ابوالکلام آزاد)

''منشی جیون لال نے اپنے روزنامچہ میں بہادر شاہ اور مولوی فضلِ حق کی یہ گفتگو نقل کی ہے:
بہادر شاہ نے جب مولوی صاحب کو حکم دیا کہ ''اپنی افواج کو لڑانے کے لئے لے جاؤ اور انگریزوں کے خلاف لڑاؤ۔''
تو انہوں نے کہا: افسوس تو اسی بات کا ہے کہ سپاہی ان کا کہا نہیں مانتے جو ان کی تنخواہ دینے کے ذمہ دار نہیں۔ (ص ۲۲۰۔ غدر کی صبح وشام۔ بحوالہ ص ۳۵۔ مقدمہ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، مؤلفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ مکتبہ ندوۃ المصنفین، اردو بازار، دہلی۔ ۱۹۷۱ء)

جناب وقار الحسن صدیقی، سابق ڈائرکٹر آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا وسابق او ایس ڈی رضا لائبریری رام پور، یوپی (انڈیا) ص ۱۴۔ پیش لفظ ''تاریخ جنگِ آزادیِ ہند ۱۸۵۷ء'' مؤلفہ سید خورشید مصطفیٰ رضوی، مطبوعہ رضا لائبریری رام پور۔ یوپی۔ طبعِ اول ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء کے اندر یہ تاریخی ریکارڈ درج کرتے ہیں کہ:

''انگریزوں کے جاسوس گوری شنکر نے ۱۸/اگست ۱۸۵۷ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:
مولوی فضلِ حق جب سے دہلی آیا ہے، شہریوں اور فوج کو انگریزوں کے خلاف اُکسانے میں مصروف ہے۔
وہ کہتا پھرتا ہے کہ اس نے آگرہ گزٹ میں برطانوی پارلیمنٹ کا ایک اعلان پڑھا ہے جس میں انگریزی فوج کو دہلی کے تمام باشندوں کو قتل کردینے اور پورے شہر کو مسمار کردینے کے لئے کہا گیا ہے۔ آنے والی نسلوں کو یہ بتانے کے لئے کہ یہاں دہلی کا شہر آباد تھا، شاہی مسجد کا صرف ایک مینار باقی چھوڑا جائے گا''۔

(INDIAN OFFICE LONDON, MUTINY COLLECTION NO.170 PP.442-443)

''ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں رونما ہوا۔ مولانا فضل حق اَلور سے دہلی آئے۔ جنرل بخت خاں نے نقشۂ اقتدار جما رکھا تھا۔ استفتا مولانا نے لکھا۔ مفتی صاحب و دیگر عُلَما نے فتویٰ دیا۔ (ص ۴۸، غدر کے چند علما از انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی۔ مطبوعہ دینی بک ڈپو، اردو بازار، دہلی)

''علامہ (فضلِ حق) اَلْور (راج پوتانہ) سے نشر و اشاعت کرتے ہوئے مئی ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچے۔ میرٹھ اور دوسری چھاؤنیوں میں کارتوسوں کا قضیہ زور پکڑ چکا تھا۔ گائے اور سور کی چربی کی آمیزش کی خبر سے ہندو اور مسلمان فوجی بگڑ بیٹھے۔ روٹی کی ٹکیا کی تقسیم کسی خاص اسکیم کے ماتحت گاؤں گاؤں پہلے سے ہو ہی چکی تھی۔

میرٹھ سے دہلی پر ''باغی'' فوج نے ۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء کو حملہ کر دیا۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ بادشاہِ دہلی سرگرمیوں کا مرکز بنے۔ علامہ بھی شریکِ مشورہ رہے۔

منشی جیون لال اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں:

۱۶ر اگست ۱۸۵۷ء: مولوی فضلِ حق شریکِ دربار ہوئے۔ انہوں نے اشرفی نذر پیش کی اور صورتِ حال سے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔

۲ر ستمبر ۱۸۵۷ء: بادشاہ دربارِ عام میں تشریف فرما ہوئے۔ مرزا الٰہی بخش، مولوی فضلِ حق، میر سعید علی خاں اور حکیم عبدالحق آداب بجالائے۔

۶ر ستمبر ۱۸۵۷ء: مولوی فضلِ حق نے اطلاع دی کہ متھرا کی فوج آگرہ چلی گئی ہے اور انگریزوں کو شکست دینے کے بعد شہر پر حملے کر رہی ہے۔

۷ر ستمبر ۱۸۵۷ء: بادشاہ دربارِ خاص میں رہے۔ حکیم عبدالحق، میر سعید علی خاں، مولوی فضلِ حق، بدرالدین خاں اور دیگر تمام اُمَرا و رؤسا شریکِ دربار رہے۔ (ص ۲۱۷، ۲۴۰، ۲۴۶، ۲۴۷۔ روزنامچہ منشی جیون لال)۔

اس روزنامچہ سے علامہ کی باخبری اور انقلابی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ (ص ۲۱۴۔ باغی ہندوستان، مرتبہ عبدالشاہد شیروانی علی گڑھی، طبعِ چہارم المجمع الاسلامی مبارک پور ضلع اعظم گڈھ، یوپی ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔ طبعِ اول مدینہ پریس بجنور ۱۹۴۷ء مع مقدمہ مولانا ابوالکلام آزاد)۔

''بغاوت وسط مئی ۱۸۵۷ء میں شروع ہوئی۔ جوں ہی اس کی اطلاع ملی علامہ (فضل حق) اہل خانہ کو اَلور چھوڑ کر دہلی آ گئے اور سرگرمی سے بغاوت کی رہنمائی کی اور حکومت کے دستور العمل کی ترتیب شروع کر دی۔ جولائی میں جنرل بخت خاں کے دہلی آنے پر فتوائے

جہاد مرتب کر کے عُلَما کے دستخط کرائے۔ اسی درمیان راجہ اَلْور بنے سنگھ کی خبرِ ارتحال پر اَلْور چلے گئے۔ تقریباً ایک ماہ میں واپس دہلی آ گئے۔ پھر پندرہ یوم دہلی قیام کر کے اَلْور آ گئے اور اپنے اہل و عیال کو لے کر اوائلِ ستمبر میں دہلی آ گئے۔''

(ص ۲۶۰۔ باغی ہندوستان مرتبہ عبدالشاہد شروانی علی گڈھی، مطبوعہ لاہور و مبارک پور)

''دہلی میں بہادر شاہ ظفر نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مولانا فضلِ حق خیرآبادی نیز دوسرے عُلَما دہلی میں موجود تھے۔

...... جنرل بخت خاں کے مشورے سے علامہ فضل حق خیرآبادی نے بعد نماز جمعہ جامع مسجد دہلی میں جہاد کی اہمیت و ضرورت پر تقریر کی اور جہاد کا استفتا مرتب کر کے پیش کیا۔'' (ص ۲۲۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد! مولانا فیض احمد بدایونی۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۷ء بقلم پروفیسر محمد ایوب قادری، کراچی)

''مولانا فضل حق نے فتویٰ کے بعد جگہ جگہ دورے کیے اور بالآخر دہلی پہنچ گئے۔ اس زمانے کی سیاسی سرگرمیوں کا اندازہ جیون لال کے روزنامچہ سے ہوتا ہے جس میں اس نے مختلف تاریخوں میں مولانا کا قلعہ میں ہونا بیان کیا ہے۔

مولانا فضل حق کے مشورے صرف قلعۂ معلیٰ کی پوشیدہ مجلسوں تک محدود تھے۔ وہ جنرل بخت خاں سے ملے، مشورے ہوئے اور آخر میں بعد نماز جمعہ دلی کی لال مسجد (جامع مسجد دہلی) میں علما کے سامنے تقریر کی اور فتویٰ پیش کیا۔ (ص ۲۶۴، بقلم ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، ۱۸۵۷ء نمبر، مجلّہ خیالِ لاہور)

''میر نواب و سید احمد حسین رسوا خیرآبادی پسرانِ سید تفضّل حسین خاں جو علامہ فضل حق خیرآبادی کے عزیز اور سید احمد حسین علامہ خیرآبای کے داماد تھے، ان کے حقیقی بھائی میر نواب کے بارے میں ذکاء اللہ دہلوی (متوفی نومبر ۱۹۱۰ء) لکھتے ہیں:

''جس تاریخ (۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء) کو (میرٹھ سے دہلی) سپاہ آئی، دوسرے روز (۱۲ر مئی) قلعے میں اکابر شہر کی ایک مجلس مقرر ہوئی کہ شہر کا اور سپاہ کی رسد رسانی کا انتظام کیا جائے۔ اگر بندوبست نہیں ہوگا تو وہ (سپاہی) سارے شہر کو لوٹ کر کھا جائیں گے۔ اس کا اہتمام محبوب علی اور میر نواب پسر تفضّل حسین خاں کے سپرد ہوا۔'' (ص ۶۷۹۔ تاریخ عروج عہدِ انگلشیہ از ذکاء اللہ دہلوی۔ مطبوعہ دہلی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۳ء)

''انہوں (مولانا فضل حق خیرآبادی) نے بادشاہ (بہادر شاہ ظفر) کے لئے ایک دستور العمل سلطنت لکھا تھا۔'' (۶۷۸۔ تاریخ عروج عہدِ انگلشیہ از ذکاء اللہ دہلوی، مطبوعہ دہلی)

رئیس احمد جعفری ندوی (1912ء۔1968ء) لکھتے ہیں:

''وہ (مولانا فضلِ حق خیرآبادی) انگریزوں سے سخت نفرت کرتے تھے اور انگریزوں کو نکالنے کے لئے ہر منظّم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے پر دل وجان سے آمادہ رہتے تھے۔ چنانچہ جب غدر (۱۸۵۷ء) شروع ہوا تو مولانا بے تأمل اس میں شریک ہوئے۔

وہ بادشاہ (بہادرشاہ ظفر) کے معتمد، مقرب اور مشیر تھے۔ ان کے دربار میں شریک ہوا کرتے تھے۔ انہیں اہم معاملات ومسائل پر مشورے دیتے تھے اور اس بات کے ساعی تھے کہ آزادی کی یہ تحریک کامیاب ہو اور انگریز اس دیس سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائیں۔

مولانا (فضلِ حق خیرآبادی) نے غدر (۱۸۵۷ء) میں دلیری اور جرأت کے ساتھ علانیہ حصہ لیا۔ انہوں نے متعدد والیانِ ریاست اور اُمَراے ہند کو اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کی، جس جس والیِ ریاست سے ان کے ذاتی تعلقات ومراسم تھے، خواہ ہندو ہو یا مسلمان خود اس کے پاس پہنچے اور اسے آزادیِ وطن کا واسطہ دے کر اس جدوجہد میں شریک کرنے کی کوشش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کو مولانا کی شرکت سے بڑی تقویت پہنچی۔ (ص۸۶۲۔ بہادرشاہ ظفر اور ان کا عہد، مؤلفہ رئیس احمد جعفری۔ طبعِ اول کتاب منزل لاہور، سالِ طبع ندارد، تقدیم کتاب از مؤلف ماہ دسمبر ۱۹۵۵ء)

''سید مبارک شاہ (جو دورانِ غدر، دہلی کا کوتوال تھا) کا بیان ہے کہ:

''بہادرشاہ نے جنرل بخت خاں، مولوی سرفراز علی اور مولوی فضلِ حق پر مشتمل ایک ''کِنگ کونسل'' تشکیل دی تھی۔ مبارک شاہ ہی نے ایک جگہ اسے ''پریوی کونسل'' بھی لکھا ہے۔''

THE GREAT REVOLUTION OF1857-
(P182,183۔ عظیم انقلاب ۱۹۵۷ء۔ از ڈاکٹر سید معین الحق کراچی ۱۹۶۸ء)

انگریزوں کے گماشتہ جاسوس عبداللطیف نے اپنے روزنامچہ میں علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی شرکتِ مجلس وملاقات از بہادرشاہ ظفر کا اس طرح ذکر کیا ہے:

''جب ہنگامہ (مئی ۱۸۵۷ء) برپا ہوا تو مولوی فضلِ حق آئے۔ دربار میں حاضر ہوئے۔ نذر پیش کی۔ روپیہ صدقے اتارے۔ انہیں انتظام سنبھالنے کی خواہش تھی۔ (ص۹۶۔ ۱۸۵۷ء کا روزنامچہ۔ مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی)

شاہی طبیب اور انگریزوں کا وفادار آلۂ کار حکیم احسن اللہ خاں اپنی یادداشت میں لکھتا ہے:

''دوسرے روز مولوی فضلِ حق آئے اور نذر پیش کی۔ وہ باغی فوج کی بڑی زور وشور سے تعریف کررہے تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا:

اب وقت کا تقاضہ ہے کہ باغیوں کو رقم اور سامان رسد کی مدد پہنچائی جائے تاکہ انہیں کچھ سہارا ہو۔

بادشاہ نے کہا: رقم کہاں ہے؟ رہا رسد کا (معاملہ) تو وہ پہنچی تھی مگر ناکافی تھی اور اس کی وجہ

ان باغیوں کا عوام کے ساتھ غلط رویہ ہے۔

مولوی (فضلِ حق) صاحب نے کہا: حضور کے تمام ملازمین نااہل ہیں۔ دور اور قریب کے تمام حکمرانوں سے رقم کا مطالبہ کرنے کی اجازت دیجیے اور کسی ہوشیار آدمی کو رسد کی فراہمی پر مامور کرنے دیجیے۔

......مولوی (فضلِ حق) صاحب جب بھی بادشاہ کے پاس آتے، بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جہاد کی مہم میں اپنی رعایا کی ہمت افزائی کریں اور ان کے ساتھ باہر (میدان) بھی نکلیں۔ فوجی دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں۔ ورنہ انگریز اگر جیت گئے تو صرف خاندان تیمور یہ نہیں بلکہ تمام مسلمان نیست ونابود ہوجائیں گے۔'' (ص۲۳۔ یادداشت حکیم احسن اللہ خاں۔ مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق۔ کراچی ۱۹۵۸ء)

انگریزی جاسوس منشی جیون لال اپنے روزنامچہ میں لکھتا ہے:

۱۶/اگست ۱۸۵۷ء: مولوی فضل حق شریک دربار ہوئے۔ انہوں نے اشرفی نذر میں پیش کی اور صورتِ حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔

''۱۹/اگست ۱۸۵۷ء: مولوی عبدالحق خلف مولوی فضلِ حق اور مولوی فیض احمد لگان وصول کرنے کی غرض سے گوڑگانواں گئے۔'' (ص۲۲۲۔ غدر کی صبح وشام۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۲۶ء)

''مولوی فضلِ حق اپنے مواعظ سے عوام کو مسلسل بھڑکا رہے ہیں۔'' (رپورٹ از چُنّی لال۔ اخبار دہلی۔ فائل ۱۲۷)

''مولوی فضلِ حق کی اشتعال انگیزیوں سے متأثر ہوکر شہزادے بھی میدان میں نکل آئے اور سبزی منڈی کے پھل والے محاذ (دہلی) پر صف آرا ہیں۔'' (رپورٹ تراب علی۔ اخبار دہلی)۔

بہادرشاہ ظفر اور جنرل بخت خاں کے ساتھ عسکری امور میں تبادلۂ خیال اور منصوبہ بندی کے تعلق سے ذیل کی ایک اہم رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

''۱۸/اگست ۱۸۵۷ء: شاہِ دہلی سلیم گڈھ تشریف لے گئے اور بعد ملاحظہ کرنے مقامِ مذکور کے دیوانِ عام میں داخل ہوئے۔ تمام سرداران وامیران نے مجرا کیا۔ جنرل بخت خان نے عرض کی کہ میری فوج اور بریلی کی فوج کل علی پور کو واسطہ حملہ کرنے فوج انگریزی روانہ ہوگئی۔

......مولوی فضلِ حق نے بیان کیا کہ انگریزوں نے اخبار میں چھاپا ہے کہ جس وقت دہلی فتح ہوگی شہر میں قتلِ عام کیا جائے گا اور شہر خوب غارت ہوگا اور بادشاہی خاندان میں سے کوئی نام لینے والا پانی دینے والا نہ رہے گا۔ اور کمالِ تأسف کی بات ہے کہ سپاہ نے لڑائی کے قاعدے چھوڑ دیے ہیں لھذا کوئی صورت انگریزوں پر فتح کی معلوم نہیں ہوتی۔

اس پر بادشاہ نے فرمایا کہ: تم اپنا، فوج میں بندوبست کرو اور آپ ان کو خود لڑانے لے جایا کرو۔

اس کے جواب میں اس نے عرض کیا کہ: فوج بھوکوں مرتی ہے اور جب تک اس کو خرچ نہیں دیا جائے گا یہ ہرگز کسی سردار کا کہنا نہیں مانیں گے۔ اس پر حکم ہوا کہ تم اپنے ساتھ فوج لو اور مال گزاری تحصیل کرو۔ الخ۔ غدر کی صبح وشام۔ (ص۲۱۲۔ سرگذشتِ دہلی۔ مرتبہ ڈاکٹر درخشاں تاجور۔ مطبوعہ رضا لائبریری رام پور۔ یوپی۔ انڈیا۔ ۲۰۰۷ء)۔

مولانا امداد صابری دہلوی لکھتے ہیں:

''دہلی میں آزادی کی تحریک ۱۸۵۷ء میں شروع ہوچکی تھی۔ مولانا فضلِ حق کے ساتھیوں نے جہاد کا فتویٰ مرتب کیا۔ اس کی تائید وتصدیق مفتی صدرالدین آرزدہ نے فرمائی۔ عمل مولانا امام بخش صہبائی نے کیا۔

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ بھی پروگرام کے مطابق ولی داد خاں کے ساتھ بغاوت کی آگ لگانے میں مصروف ہوگئے۔ (ص۹۔ داستانِ شرف۔ از امداد صابری دہلوی، مطبوعہ دہلی)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی فاضلِ دیوبند وسابق سربراہ شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں:

''مولانا (فضل حق خیرآبادی) بلند پایہ عالم دین ہونے کے ساتھ رئیسانہ طور طریقِ زندگی رکھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی ایمانی جرأت وجسارت اور دینی حمیت وغیرت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ہر چیز سے بے نیاز ہوکر دلی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے بعد جہاد کے واجب ہونے پر ایک نہایت ولولہ انگیز تقریر کی اور اس کے بعد جہاد کے ایک اور فتویٰ کا اعلان ہوا جس پر صدرالصدور مفتی صدرالدین خاں آرزدہ، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی اور دوسرے علُما کے دست خط تھے۔'' (ص۴۲۔ ہندوستان کی شرعی حیثیت از سعید احمد اکبر آبادی۔ مطبوعہ علی گڈھ ۱۹۶۸ء)

رئیس احمد جعفری ندوی (1912ء۔1968ء) لکھتے ہیں:

''مولانا فضلِ حق خیرآبادی ایک یگانۂ روزگار عالم تھے۔ عربی زبان کے مانے ہوئے ادیب اور شاعر تھے۔ علوم عقلی کے امام اور مجتہد تھے۔ اور ان سب سے بالا ان کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ بہت بڑے سیاست داں، مفکر اور مدبر بھی تھے۔ مسندِ درس پر بیٹھ کر وہ علوم وفنون کی تعلیم دیتے تھے اور ایوانِ حکومت میں پہنچ کر وہ دوررَس فیصلے کرتے تھے۔ وہ بہادر اور شجاع بھی تھے۔

غدر کے بعد نہ جانے کتنے سورما اور رزم آرا اَیسے تھے جو گوشۂ عافیت کی تلاش میں مارے مارے پھرتے تھے۔ لیکن مولانا فضلِ حق ان لوگوں میں تھے جو اپنے کیے پر نادم اور پشیماں

نہ تھے۔ انہوں نے سوچ سمجھ کر میدان میں قدم رکھا تھا اور اپنے اِقدام وعمل کے نتائج بھگتنے کے لئے وہ حوصلہ مندی اور دلیری کے ساتھ تیار تھے۔ سراسیمگی، دہشت اور خوف، یہ ایسی چیزیں تھیں جن سے مولانا بالکل ناواقف تھے۔ (ص۸۵۴۔ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد۔ مؤلفہ رئیس احمد جعفری ندوی۔ طبعِ اول کتاب منزل لاہور۔ سالِ طبع ندارد۔ تقدیمِ کتاب در ماہ دسمبر ۱۹۵۵ء)

مولانا عبدالشاہد شیروانی علی گڑھی علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی اَلْوَر (میوات، موجودہ صوبہ راجستھان) سے دہلی آمد اور ترتیبِ دستورالعمل وفتوائے جہاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بغاوت وسطِ مئی ۱۸۵۷ء میں شروع ہوئی۔ جوں ہی اس کی اطلاع ملی، علامہ اہلِ خاندان کو اَلْور چھوڑ کر دہلی آگئے۔ اور سرگرمی سے بغاوت کی رہنمائی کی اور حکومت کے دستورالعمل کی ترتیب شروع کردی۔

جولائی (۱۸۵۷ء) میں جنرل بخت خاں کے دہلی آنے پر فتوائے جہاد مرتب کرکے علُما کے دست خط کرائے۔'' الخ۔

(۲۶۰، باغی ہندوستان، مطبوعہ مبارک پور ولاہور)

مولانا انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی (1892ء۔ستمبر 1968ء) علامہ فضل حق کی گرفتاری ومقدمہ وسزا کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۸۵۹ء میں سلطنتِ مغلیہ کی وفاداری یا فتوائے جہاد یا جرمِ بغاوت میں مولانا (فضل حق خیرآبادی) ماخوذ ہوکر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا۔ مولانا موصوف کے فیصلے کے لئے جیوری بیٹھی۔ ایک اسیسر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

سرکاری وکیل کے مقابل خود مولانا بحث کررہے تھے۔ بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزامات خود اپنے اوپر قائم کیے اور پھر خود مثلِ تارِ عنکبوت عقلی ونقلی اَدِلّہ سے توڑ دیے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا اور ان سے ہم دردی بھی تھی۔ کرے تو کیا کرے؟ ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ مولانا بری ہوجائیں گے۔ سرکاری وکیل لاجواب تھے۔

......دوسرا دن آخری دن تھا۔ آپ نے اپنے اوپر جس قدر الزامات قائم کیے تھے ان کو ایک ایک کرکے رد کیا۔ اور جس مُخْبِر نے فتویٰ کی خبر دی اس کے بیان کی تصدیق وتوثیق کی اور فرمایا:

''اس گواہ نے سچ کہا تھا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔''

چنانچہ اس کے بعد بے حد رنج کے ساتھ عدالت نے حبسِ دوام کا حکم سنایا۔ آپ نے مسرت سے منظور کیا۔ یہ جج آپ سے (علمی) کام سیکھ چکا تھا۔ (ص۳۷و۳۸۔ غدر کے

چند علُما، مؤلفہ انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی۔ مطبوعہ دینی بک ڈپو اردو بازار، دہلی)

علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے مقدمہ کی مِسلِ ''نیشنل آرکائیوز آف انڈیا'' میں موجود و محفوظ ہے۔ اس کے اندر اسپشل کمشنر کا دیا ہوا فیصلہ بھی ہے۔ جس کا ترجمہ ماہنامہ تحریک دہلی شمارہ جون ۱۹۶۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کا ایک خاص حصہ یہ ہے:

''اس (مولانا فضلِ حق خیرآبادی) کی گرفتاری کے بعد دہلی سے اس کے پرانے تعلقات کے باعث وہاں کے حُکام سے بھی اس کے متعلق استصواب کیا گیا تو کمشنر دہلی نے اس کے جوابات تحریر کیے، ان سے معلوم ہوا کہ:

۱۸۵۷ء میں دہلی میں بھی اس کی سرگرمیاں بعینہٖ اسی قسم (باغیانہ) کی تھیں......وہ الُور میں ملازم تھا۔ یہاں سے وہ دیدہ دانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بہ قدم چلتا رہا۔

......وہ ۱۸۵۷ء کے دوران بغاوت کا ''سرغنہ'' رہا۔ اور اَودھ اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور قتل کی ترغیب دی......اس نے بوندی کے مقام پر ۱۸۵۸ء میں باغی سرغنہ ممُّو خاں کی مجلسِ مشاورت میں ''نمایاں'' حصہ لیا..........وہ باغیوں کی مجلسِ شوریٰ (پریوی کونسِل) کا اہم رکن تھا۔

...... یہ بات ان ایام میں عام طور پر مشہور تھی کہ چند آدمی بیگم (حضرت محل) کے مشیرانِ خاص ہیں۔ باغی فوج میں ان کی اربعہ شوریٰ کے نام سے شہرت تھی۔ بلکہ کبھی کبھی انہیں ''کچہری پارلیمنٹ'' کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس شوریٰ میں ملزم (مولانا فضلِ حق) بہت ممتاز تھا۔

...... یہ تو ظاہر ہے کہ ملزم بہت قابل آدمی ہے۔ لیکن جس طرح اوپر بیان ہوا اس نے بے ایمانہ ہوس یا مذھبی تعصب کے باعث باغیوں سے رشتہ جوڑا اور ان کا مشیرِ خاص بن گیا۔

یہ خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس لئے انصاف اور امنِ عامہ کا تقاضہ ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے......ایسے شخص کو سخت ترین سزا ملنی چاہیے اور اسے خاص طور پر ہندوستان سے باہر کر دینا چاہیے۔''

(لکھنؤ کورٹ کا فیصلہ۔ مطبوعہ ماہنامہ تحریک دہلی۔ شمارہ جون ۱۹۶۰ء)

دہلی سے اَوَدھ تک کی قائدانہ و مجاہدانہ سرگرمیوں کی بنیاد پر علامہ فضلِ حق خیرآبادی کو لکھنؤ کورٹ نے ۴/مارچ ۱۸۵۹ء میں عبور دریائے شور (کالا پانی/جزیرۂ انڈمان) اور حبسِ دوام کی سزا دی۔ ان سرگرمیوں کا تاریخِ انقلاب میں اس طرح ذکر ملتا ہے۔

''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضلِ حق نے مردانہ وار حصہ لیا۔ دہلی میں جنرل بخت خاں کے شریک رہے۔ لکھنؤ میں بیگم حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے۔ آخر میں گرفتار

ہوئے، مقدمہ چلا۔ بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ (ص۶۲۔ سہ ماہی اردو، کراچی، شمارہ، جنوری ۱۹۶۸ء بقلم پروفیسر محمد ایوب قادری)

''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا (فضلِ حق) نے مردانہ وار حصہ لیا۔ دہلی میں جنرل بخت خاں کے شریک رہے۔ لکھنؤ میں بیگم حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے۔ جب انگریزوں کو فتح ہوئی تو گرفتار ہوئے۔ (ص۲۵۶۔ علم وعمل وقائع عبد القادر خانی۔ جلد اول۔ مترجم مولوی معین الدین افضل گڑھی۔ اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ ۱۹۶۰ء)۔

''جج کے سامنے آپ کی موجودگی میں سرکاری گواہ پیش ہوا۔ اس نے آپ کو دیکھا۔ کہا: یہ فضلِ حق نہیں ہیں جنہوں نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ وہ دوسرے ہیں۔

آپ فوراً بول اٹھے: پہلی اطلاع اس کی صحیح ہے۔ اب غلط کہہ رہا ہے۔ مجھ پر جو جرم عائد کیا گیا ہے وہ درست ہے۔ میں نے ہی فتویٰ لکھا تھا اور آج بھی میری رائے وہی ہے۔

جج نے حبسِ دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا تجویز کی۔ جو بخندہ پیشانی قبول فرما کر انڈمان گئے۔

(ص۵۶۔ علُمائے حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں۔ مؤلفہ مفتی محمد انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی)۔

مولانا حسین احمد مدنی (سابق صدر جمعیۃ علمائے ہند) علامہ خیرآبادی کی جرأت و استقامت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا (فضلِ حق خیرآبادی) نے اپنے اوپر جس قدر الزام لیے تھے، ایک ایک کر کے سب کو رد کر دیے۔ جس مُخبر نے فتویٰ کی خبر دی تھی اس کے بیان کی تصدیق وتوثیق کی۔ فرمایا:

پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی۔ اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور جھوٹ بولا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔

......جج بار بار علامہ کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ مُخبر نے عدالت کا رُخ اور علامہ (خیرآبادی) کی بارُعب وپُر وقار شکل دیکھ کر شناخت کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہہ ہی دیا تھا کہ یہ مولانا فضلِ حق نہیں وہ دوسرے تھے۔

گواہ حسنِ صورت اور پاکیزگیِ سیرت سے بے پناہ متأثر ہو چکا تھا مگر علامہ کی شانِ استقلال کے قربان جائیے۔ خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے:

''وہ فتویٰ صحیح ہے، میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔''

نالہ از بہرِ رہائی نہ کند مرغِ اسیر۔ خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

شیرِ میسور سلطان ٹیپو کے رزم گاہِ شہادت کا یہ فقرہ کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔

''شیر کی ایک روزہ زندگی گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے۔''

علامہ کے اقرار و توثیق کے بعد گنجائش ہی کیا رہ گئی تھی؟ بے حد رنج کے ساتھ عدالت نے حبسِ دوام بعبورِ دریائے شور کا حکم سنایا۔ آپ نے کمالِ مسرت اور خندہ پیشانی سے سنا۔'' (ص ۶۲۴ ۔ نقشِ حیات جلد دوم ۔ مؤلفہ مولانا حسین احمد مدنی)

''تحریکِ ریشمی رومال'' کے صفحات پر مولانا مدنی اس قائدِ انقلاب و شیرِ حق کی شانِ استقلال پر اس طرح قربان ہو رہے ہیں:

''مولانا فضلِ حق صاحب خیرآبادی کو جو کہ تحریک کے بہت بڑے رکن تھے اور بریلی، علی گڑھ اور اس کے ملحقہ اضلاع کے، دورانِ تحریک (انقلاب ۱۸۵۷ء) میں گورنر تھے، آخر ان کے گھر سے گرفتار کیا گیا۔ جس مُخبر نے ان کو گرفتار کرایا تھا اس نے انکار کر دیا کہ مجھے نہیں معلوم، فتوائے جہاد پر جس نے دستخط کیے ہیں وہ یہ فضلِ حق ہیں یا کوئی اور ہیں؟ مولانا نے فرمایا: مُخبر نے پہلے جو رپورٹ لکھوائی تھی وہ بالکل صحیح ہے کہ فتویٰ میرا ہے۔ اب میری شکل وصورت سے مرعوب ہو کر یہ جھوٹ بول رہا ہے۔''

قربان جایئے علامہ کی شانِ استقلال پر! خدا کا شیر گرج کر کہہ رہا ہے کہ:

''میرا اَب بھی وہی فیصلہ ہے کہ انگریز غاصب ہے۔ اور اس کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے''۔

خدا کے بندے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ وہ جان کی پروا کیے بغیر سر بکف ہو کر میدانِ میں نکلتے ہیں اور لومڑی کی طرح ہیر پھیر کر کے جان نہیں بچاتے ہیں بلکہ شیروں کی طرح جان دینے کو فخر سمجھتے ہیں۔'' (ص ۶۴ و ۶۵ تحریکِ ریشمی رومال۔ از حسین احمد مدنی۔ مطبوعہ کلاسیک، لاہور ۱۹۶۰ء)

مولانا انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی (1892ء۔ ستمبر 1968ء) نے علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے احوالِ جزیرۂ انڈمان (کالا پانی) اور ایک علمی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے پروانۂ رہائی اور وصال کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''مولانا (فضلِ حق خیرآبادی) انڈمان پہنچے۔ استاذنا محمد عمر انصاری بخاری اکبرآبادی اپنے استاذ کی زبانی کہتے تھے کہ:

''مولانا کو خدمت ذلیل درجہ کی دی گئی تھی''

جیل سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا۔ مشرقی علوم سے واقف اور فنِ ھیئت کا ماہر تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی تھے۔ اپنی تصنیف کردہ کتاب کتاب ہیئت جو

فارسی میں تھی وہ ان کو دی کہ عبارت صحیح و درست کر دیں۔

مولوی صاحب سے تو کام نہیں چلا۔ علامہ (فضلِ حق) نئے نئے گئے تھے۔ ایک ہی سال گذرا تھا۔ ان کو وہ کتاب دی اور کہا کہ مولانا! آپ اس کو درست کر دیں۔

چنانچہ علامہ نے اس کی عبارت درست کی اور معلومات میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔ اور حاشیہ میں کثیر التعداد کتب کے حوالے لکھے۔

جب یہ کتاب مولوی صاحب سپرنٹنڈنٹ کے پاس لے گئے تو وہ اسے دیکھ کر حیران وششدر ہو گیا۔ اور اس نے کہا:

مولوی صاحب! تم بڑا لائق آدمی ہے مگر جن کتابوں کے حوالے دیے ہیں اور ان کی عبارتیں نقل کی ہیں یہ کہاں ہیں؟

مولوی صاحب مسکرائے اور اصل واقعہ علامہ کا کہہ سنایا۔

وہ اسی وقت مولوی صاحب کو لے کر بیرک میں آیا۔ علامہ تھے نہیں، کچھ انتظار کے بعد دیکھا کہ ٹوکرا بغل میں دبائے وہ چلے آ رہے ہیں۔

وہ یہ دیکھ کہ آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور معذرت کی۔ اور کلرکی میں لے آیا۔ اور گورنمنٹ میں ان کی سفارش کی۔

ادھر علامہ کے صاحبزادے مولوی شمس الحق دہلوی اور علامہ کے قریبی عزیز خان بہادر مفتی انعام اللہ گوپامئوی کے داماد منشی خواجہ غلام غوث بے خبر وخان بہادر ذوالقدر میر منشی لفٹنٹ مغربی وشمالی صوبہ اودھ سرگرمِ سعی تھے۔ پروانۂ آزادی حاصل کیا۔ اور مولوی شمس الحق انڈمان روانہ ہو گئے۔

وہاں (بحری) جہاز سے اُترے۔ شہر میں گئے تو ایک جنازہ پر نظر پڑی۔ اس کے ساتھ بڑا اِزدحام تھا۔ انہوں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ:

کل ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ کو علامہ کا انتقال ہو گیا۔ اب سپردِ خاک کرنے جا رہے ہیں۔

یہ (مولوی شمس الحق) بھی ہمراہ ہوگئے اور بعد دفن وفاتحہ بصد حسرت و یاس لوٹے۔ (ص ۳۹ و ۴۰۔ غدر کے چند عُلما۔ مؤلفہ مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی۔ مطبوعہ دینی بک ڈپو، اردو بازار، دہلی)

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نے جب علامہ کے انتقال کی خبر سنی تو شیخ لطیف احمد بلگرامی کے نام اپنے ایک خط میں لکھا:

''کیا لکھوں اور کہوں؟ نورِ آنکھوں سے جاتا رہا اور دل سے سرور۔ ہاتھ میں رعشہ طاری ہے اور کان سماعت سے عاری ہے۔

عتابِ عروساں در آمد بجوش   صراحی تہی دست و ساقی خموش

فخرِ ایجاد وتکوین مولانا فضلِ حق ایسا دوست مرجائے۔ غالبِ نیم مردہ، نیم جاں رہ جائے۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی

(ص۳۲۔ اردوے معلیٰ۔ علی گڑھ۔ دسمبر ۱۹۰۷ء)

ڈبلیوڈبلیو ہنٹر اپنی مشہور کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیرآبادی (متوفی ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء) جو ایک زمانہ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدرالمدرسین (ہیڈ مولوی) تھے، ان کے بارے میں لکھتا ہے:

''موجودہ ہیڈ مولوی اس عالمِ دین کے صاحبزادے ہیں جن کو ۱۸۵۷ء کے غدر نے نمایاں کر دیا تھا اور جنہوں نے اپنے جُرموں کا خمیازہ اس طرح بھُگتا تھا کہ بحرِ ہند کے ایک جزیرہ میں تمام عمر کے لئے جلاوطن کردیے جائیں۔

اس غدار عالمِ دین کا کتب خانہ جس کو حکومتِ ہند نے ضبط کرلیا تھا اَب کلکتہ کالج میں موجود ہے۔'' (ص۲۰۲و۲۰۳۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان ، از ڈبلیوڈبلیو ہنٹر۔ مطبوعہ الکتاب انٹرنیشنل، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵)

مولانا عبدالحق خیرآبادی (متوفی ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء) فرزندِ علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے بارے میں مولانا عبدالشاہد شیروانی علی گڑھی لکھتے ہیں:

''مولانا (عبدالحق خیرآبادی) نے آخر وقت یہ وصیت بھی فرمائی کہ:

''جب انگریز ہندوستان سے چلے جائیں تو میری قبر پر خبر کردی جائے۔''

چنانچہ ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو رفیقِ محترم مولوی سید نجم الحسن صاحب رضوی خیرآبادی نے مولانا (عبدالحق خیرآبادی) کے مدفن (درگاہ مخدومیہ خیرآباد ضلع سیتاپور، اودھ) پر ایک جمِ غفیر کے ساتھ حاضر ہوکر میلاد شریف کے بعد قبر پر فاتحہ خوانی کی۔

اور اس طرح پورے پچاس سال کے بعد (از ۱۸۹۸ء تا ۱۹۴۷ء) انگریزی سلطنت کے خاتمہ کی خبر سنا کر وصیت پوری کی۔ جزاہُ اللّٰہُ خیرَ الجزاء (ص۱۲۔ مقدمہ زبدۃ الحکمہ از عبدالشاہد شیروانی۔ مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۴۹ء)

☆☆☆